محاظرات برائے شعبہ فزیکل ایجوکیشن تھرڈسمیسٹر

استاذ عبدالوہاب خان

لیکچر نمبر ۱

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾

ترجمہ :

اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر ۔

تفسیر :

۷ یعنی آدمی کو حسن صورت، نطق، تدبیر اور عقل و حواس عنایت فرمائے جن سے دنیاوی و اخروی مضار و منافع کو سمجھتا اور اچھے برے میں تفریق کرتا ہے۔ ہر طرف ترقی کی راہیں اس کے لیے کھلی ہیں دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر اپنے کام میں لگاتا ہے۔ خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتا اور سمندروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ بےتکلف طے کرتا چلا جاتا ہے۔ قسم قسم کے عمدہ کھانے، کپڑے، مکانات اور دنیاوی آسائش و رہائش کے سامانوں سے منتفع ہوتا ہے۔ ان ہی آدمیوں کے سب سے پہلے باپ آدم (علیہ السلام) کو خدا تعالیٰ نے مسجود ملائکہ اور ان کے آخری پیغمبر (علیہ السلام) کو کل مخلوقات کا سردار بنایا۔ غرض نوع انسانی کو حق تعالیٰ نے کئی حیثیت سے عزت اور بڑائی دے کر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔ اوپر کے رکوع میں آدم کی نسبت شیطان کا (هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ) 17 ۔ الاسراء :62) کہنا اور ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنا، پھر بنی آدم کو کشتی کے ذریعہ دریائی سفر طے کرانا مذکور تھا۔ اس آیت کا مضمون مضامین مذکورہ بالا سے صاف طور پر مربوط ہے (تنبیہ) مفسرین نے اس آیت کے تحت میں یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ ملائکہ اور بشر میں کون افضل ہے کون مفضول۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت سے اس مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ حنفیہ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ " رسل بشر "، " رسل ملائکہ " سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (باستثنائے رسل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں۔ اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر فضیلت حاصل ہے واللہ اعلم۔

الاسراء

سبحان الذي

سورہ الانعام ایت نمبر ۱۰۸

وَلَا تَسُبُّواْ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّواْ ٱللَّهَ عَدۡوَۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٖۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرۡجِعُهُمۡ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ

ترجمہ:

اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بدون سمجھے اسی طرح ہم نے مزین کر دیا ہر ایک فرقہ کی نظر میں ان کے اعمال کو ، پھر ان سب کو اپنے رب کے پاس پہنچنا ہے تب وہ جتلا دے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے

تفسیر:

خلاصہ تفسیر

اور دشنام مت دو ان (معبودانِ باطلہ) کو جن کی یہ (مشرک) لوگ خدا (کی توحید) کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیونکہ (تمہارے ایسا کرنے سے) پھر وہ براہ جہل حد سے گذر کر (یعنی غصہ میں آکر) اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے (اور اس کاتعجب نہ کیا جائے کہ ایسی گستاخی کرنے والوں کو ساتھ کے ساتھ سزا کیوں نہیں مل جاتی، کیونکہ) ہم نے (دنیا میں تو) اسی طرح (جیسا ہورہا ہے) ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل (بھلا ہو یا برا ہو) مرغوب بنا رکھا ہے (یعنی ایسے اسباب جمع ہوجاتے ہیں کہ ہر ایک کو اپنا طریقہ پسند ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ عالم اصل میں ابتلاء وامتحان کا ہے، پس اس میں سزا ضروری نہیں) پھر (البتہ اپنے وقت پر) اپنے رب ہی کے پاس ان (سب) کو جانا ہے، سو (اس وقت) وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ بھی وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے (اور مجرمین کو سزا دے دے گا) اور ان (منکر) لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے (یعنی ہمارے) پاس (یعنی ان کے فرمائشی نشانوں میں سے) کوئی نشان (ظہور میں) آجاوے تو وہ (یعنی ہم)ضرور ہی اس (نشان) پر ایمان لے آویں گے (یعنی نشان ظاہر کرنے والے کی نبوت کو مان لیں گے) آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ نشان سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں (وہ ان میں جس طرح چاہے تصرف فرما دے دوسرے کو دخل دینا اور فرمائش کرنا بے جا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ کس کا ظاہر ہونا حکمت ہے اور کس کا ظاہر نہ ہونا حکمت ہے، البتہ بعثت رسل کے وقت مطلقاً کسی نشان کو

ظاہر کر دینا اس میں حکمت یقینی ہے، سو اللہ تعالیٰ بہت سے نشان صدق دعو ٰی رسالت محمدیہ پر ظاہر فرما چکے ہیں جو کہ دلالت کے لئے کافی ہیں، بس یہ ان کی فرمائش کا جواب ہو گیا) اور (چونکہ مسلمانوں کے دل میں خیال تھا کہ خوب ہو اگر یہ نشان ظاہر ہو جاویں، شاید ایمان لے آویں ان کو خطاب فرماتے ہیں کہ) تم کو اس کی کیا خبر (بلکہ ہم کو خبر ہے) کہ وہ (فرمائشی) نشان جس وقت (ظہور میں) آجاویں گے یہ لوگ (غایت عناد سے) جب بھی ایمان نہ لاوینگے اور (ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے) ہم بھی ان کے دلوں کو (حق طلبی کے قصد سے) اور ان کی نگاہوں کو (حق بینی کی نظر سے) پھیر دیں گے (اور ان کا یہ ایمان نہ لانا ایسا ہے) جیسا یہ لوگ اس (قرآن) پر (کہ معجزہ عظیمہ ہے) پہلی دفعہ (جبکہ وہ آیا) ایمان نہیں لائے (تو اب ایمان نہ لانے کو بعید مت سمجھو) اور (تقلیب ابصار یعنی نگاہوں کو بےکار کرنے کا مطلب ظاہری تقلیب نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ) ہم ان کو ان کی سر کشی (وکفر) میں حیران (سرگرداں) رہنے دیں گے (ایمان کی توفیق نہ ہوگی کہ یہ معنوی تقلیب ہے) اور (ان کے عناد کی تو یہ کیفیت ہے کہ) اگر ہم (ایک فرمائشی نشان کیا کئی کئی اور بڑے بڑے فرمائشی نشان بھی ظاہر کر دیتے، مثلاً یہ کہ) ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے (جیسا وہ کہتے ہیں (آیت) (لو لا انزل علینا الملائکة) اور ان سے مردے (زندہ ہو کر) باتیں کرنے لگتے (جیسا وہ کہتے ہیں (آیت) (فاتوا بآبائنا) اور (یہ تو صرف اتنا ہی کہتے ہیں (آیت) (تاتی باللہ والملائکة قبیلا) ہم (اسی پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ) تمام موجودات (غیبیہ) کو (جس میں جنت ودوزخ سب کچھ آ گیا) ان کے پاس ان کی آنکھوں کے رو برو دلا کر جمع کردیتے، (کہ سب کو کھلم کھلا دیکھ لیتے) تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے، ہاں مگر خدا ہی چاہے (اور ان کی تقدیر بدل دے) تو اور بات ہے (پس جب ان کے عناد و شرارت کی یہ کیفیت ہے اور خود بھی وہ اس کو جانتے ہیں کہ ہماری نیت اس وقت بھی ایمان لانے کی نہیں تو اس کا مقتضایہ تھا کہ نشانوں کی فرمائش نہ کرتے کہ محض بےکار ہے) لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں (کہ ایمان لانے کا تو قصد نہیں پھر خواہ مخواہ کی فرمائشیں کہ جہالت ہونا اس کا ظاہر ہے) اور (یہ لوگ جو آپ سے عداوت کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات آپ ﷺ ہی کے لئے نہیں ہوتی، بلکہ جس طرح یہ آپ ﷺ سے عداوت رکھتے ہیں) اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے، کچھ آدمی (جن سے اصل معاملہ تھا) اور کچھ جن (ابلیس اور اس کی اولاد) جن میں سے بعضے (یعنی ابلیس اور اس کا لشکر) دوسرے بعضوں کو (یعنی کافر آدمیوں کو) چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں (مراد اس سے کفر و مخالفت کی باتیں ہیں کہ ظاہر میں نفس کو بھلی معلوم ہوتی تھیں ، اور باطن میں مہلک تھیں، اور یہی دھوکہ ہے، جب یہ کوئی نئی بات نہیں تو اس کا غم نہ کیجئے کہ آپ کے ساتھ یہ لوگ ایسے معاملات کیوں کرتے ہیں، اصل یہ ہے کہ اس میں بعضی حکمتیں ہیں، اس وجہ سے ان

کو ایسے امور پر قدرت بھی ہوگئی ہے) اور اگر اللہ تعالیٰ (یہ) چاہتا (کہ یہ لوگ ایسے امور پر قادر نہ رہیں) تو (پھر) یہ ایسے کام نہ کر سکتے (مگر بعض حکمتوں سے ان کو قدرت دےدی ہے) سو (جب اس میں حکمتیں ہیں تو) ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ (دین کے بارہ میں) افتراء پردازی کر رہے ہیں (جیسے انکار نبوت جس پر عداوت مرتب ہے) اس کو آپ ﷺ رہنے دیجئے (اس کی فکر وغم میں نہ پڑئیے، ہم خود متعین وقت پر مناسب سزاء دیں گے کہ ان حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے) اور (وہ شیاطین ان کافر آدمیوں کو اس لئے وسوسہ میں ڈالتے تھے) تاکہ اس (فریب آمیز بات) کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جاویں جو آخرت پر (جیسا چاہئے) یقین نہیں رکھتے (مراد کافر لوگ ہیں، اگرچہ اہل کتاب ہوں، کیونکہ جیسا چاہئے ان کو بھی یقین نہیں، ورنہ انکار نبوت پر جس پر قیامت میں سزاء ہوگی کبھی جرأت نہ کرتے) اور تاکہ (میلان نفسانی کے بعد) اس کو (اعتقاد قلبی سے بھی) پسند کرلیں اور تاکہ (اعتقاد کے بعد) مرتکب (بھی) ہوجاویں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوتے تھے۔

معارف و مسائل

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے، اور اس میں ایک اہم اصولی مسئلہ کی ہدایت دی گئی ہے کہ جو کام خود کرنا جائز نہیں اس کا سبب اور ذریعہ بننا بھی جائز نہیں ۔

آیت کا شان نزول ابن جریر کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کے عم محترم ابو طالب مرض الموت میں تھے تو قریش کے مشرک سردار جو رسول کریم ﷺ کی عداوت اور ایذاء رسانی میں لگے ہوئے تھے، اور قتل کی سازشیں کرتے رہتے تھے، ان کو یہ فکر ہوئی کہ ابو طالب کی وفات ہمارے لئے ایک مشکل مسئلہ بن جائے گی، کیونکہ ان کے بعد اگر ہم محمد ﷺ کو قتل کریں گے تو یہ ہماری عزت شرافت کے خلاف ہوگا کہ لوگ کہیں گے کہ ابو طالب کے سامنے تو ان کا کچھ بگاڑ نہ سکے، ان کے موت کے بعد اکیلا پا کر قتل کردیا، اس لئے اب وقت ہے کہ ہم مل کر خود ابو طالب ہی سے کوئی فیصلہ کن بات کرلیں ۔

یہ بات تقریباً ہر لکھا پڑھا مسلمان جانتا ہے کہ ابو طالب اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن آنحضرت ﷺ کی نہ صرف محبت بلکہ عظمت وجلالت بھی ان کے دل میں پیوست تھی، اور آپ کے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہتے تھے۔

چند قریشی سرداروں نے یہ مشورہ کر کے ابو طالب کے پاس جانے کے لئے ایک وفد مرتب کیا، جس میں ابو سفیان، ابو جہل، عمروبن عاص وغیرہ قریشی سردار

شامل تھے، ابو طالب سے اس وفد کی ملاقات کے لئے وقت لینے کا کام ایک شخص مطّلب نامی کے سپرد ہوا، اس نے ابوطالب سے اجازت لے کر اس وفد کو وہاں پہنچایا۔

وفد نے ابو طالب سے کہا کہ آپ ہمارے بڑے اور سردار ہیں، اور آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھتیجے محمد ﷺ نے ہمیں اور ہمارے معبودوں کو سخت تکلیف اور ایذاءپہنچا رکھی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو بلا کر سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں تو ہم اس پر صلح کرلیں گے کہ وہ اپنے دین پر جس طرح چاہیں عمل کریں، جس کو چاہیں معبود بنائیں، ہم ان کو کچھ نہ کہیں گے۔

ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ یہ آپ کی برادری کے سردار آئے ہیں، آنحضرت ﷺ نے اس وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہماری خواہش یہ ہے کہ آپ ﷺ ہمیں اور ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیں، برا بھلا نہ کہیں، اور ہم آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے معبود کو چھوڑ دیں گے، اس طرح باہمی مخالفت ختم ہو جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر میں تمہاری یہ بات مان لوں تو کیا تم ایک ایسا کلمہ کہنے کے لئے تیار ہو جاؤ گے جس کے کہنے سے تم سارے عرب کے مالک ہو جاؤ گے، اور عجم کے لوگ بھی تمہارے تابع اور باج گزار بن جائیں گے۔

ا بوجہل بولا کہ ایسا کلمہ ایک نہیں ہم دس کہنے کو تیار ہیں، بتلائیے وہ کیا ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ یہ سنتے ہی سب برہم ہو گئے، ابوطالب نے بھی حضور ﷺ سے کہا کہ میرے بھتیجے! اس کلمہ کے سوا کوئی اور بات کہو، کیونکہ آپ کی قوم اس کلمہ سے گھبرا گئی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا! چچا جان! میں تو اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا کلمہ نہیں کہہ سکتا ، اگر وہ آسمان سے آفتاب کو اتار لاویں اور میرے ہاتھ میں رکھ دیں جب بھی میں اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا ہرگز نہ کہوں گا، مقصود یہ تھا کہ ان کو مایوس کر دیں ۔

اس پر یہ لوگ ناراض ہوکر کہنے لگے یا تو آپ ﷺ ہمارے معبودوں (بتوں) کو برا کہنے سے باز آجائے، ورنہ ہم آپ ﷺ کو بھی گالیاں دیں گے اور اس ذات کو بھی جس کا رسول آپ ﷺ اپنے آپ کو بتلاتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (آیت) وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ، یعنی آپ ﷺ ان بتوں کو برا نہ کہیں جن کو ان لوگوں نے خدا بنا رکھا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ کو برا کہنے لگیں اپنی بے راہ روی اور بے سمجھی سے ۔

اس میں وَلَا تَسُبُّوا لفظ سَبّ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں گالی دینا، رسول کریم ﷺ تو اپنے فطری اخلاق کی بناء پر پہلے ہی اس کے پابند تھے، کبھی بچپن میں بھی کسی انسان بلکہ کسی جانور کے لئے بھی گالی کا لفظ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر جاری نہیں ہوا ، ممکن ہے بعض صحابہ کرام کی زبان سے کبھی کوئی سخت کلمہ نکل بھی گیا ہو جس کو مشرکین مکہ نے گالی سے تعبیر کیا، اور قریشی سرداروں کے اس وفد نے حضور ﷺ کے سامنے اس معاملہ کو رکھ کر یہ اعلان کر دیا کہ آپ ﷺ ہمارے بتوں کو سب وشتم کرنے سے باز نہ آئیں گے تو ہم آپ کے خدا کو سب وستم کریں گے۔

اس پر قرآنی حکم یہ نازل ہوا، جس کے ذریعہ مسلمانوں کو روک دیا گیا ، کہ وہ مشرکین کے معبوداتِ باطلہ کے متعلق کوئی سخت کلمہ نہ کہا کریں، اس آیت میں یہ بات خاص طور سے قابلِ نظر ہے کہ اس سے پہلی آیت میں خود آنحضرت ﷺ کو خطاب ہو رہا تھا، مثلاً ارشاد ہے: (آیت) اتبع ما اوحی الیک من ربک، اور (آیت) واعرض عن المشرکین اور (آیت) وما جعلنک علیہم حفیظا اور (آیت) ما انت علیہم بوکیل ، ان تمام صیغوں میں آنحضرت ﷺ مخاطب تھے، کہ آپ ﷺ ایساکریں یا ایسا نہ کریں ، اس کے بعد اس آیت میں طرزِ خطاب رسول کریم ﷺ سے پھیر کر عام مسلمانوں کی طرف کر دیا گیا، فرمایا وَلَا تَسُبُّوا اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تو کبھی کسی کو گالی دی ہی نہیں تھی، ان کو براہِ راست اس کلام کا مخاطب بنانا ان کی دل شکنی کا سبب ہو سکتا ہے، اس لئے خطاب عام کر دیا گیا، اور تمام صحابہ کرام بھی اس میں احتیاط فرمانے لگے (کذا فی البحر المحیط)

رہا یہ معاملہ کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بتوں کا تذکرہ سخت الفاظ میں آیا ہے، اور وہ آیات منسوخ بھی نہیں، ان کی تلاوت اب بھی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیات قرآنی میں جہاں کہیں ایسے الفاظ آئے ہیں وہ بطور مناظرہ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے وارد ہوئے ہیں وہاں کسی کی دل آزاری نہ پیش نظر ہے، اور نہ کوئی سمجھدار انسان ان سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس میں بتوں کو برا کہنا یا مشرکین کو چڑانا منظور ہے، اور یہ ایک ایسا کھلا ہوا فرق ہے جس کو ہر زبان کے اہل محاورہ بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ کبھی کسی شخص کا کوئی عیب یا برائی کسی مسئلہ کی تنقیح کے لئے ذکر کی جاتی ہے، جیسے عام طور پر عدالتوں میں ہر روز سامنے آتا رہتا ہے، لیکن عدالت کے سامنے ہونے والے بیان کو دنیا میں کوئی آدمی یہ نہیں کہتا کہ فلاں نے فلاں کو گالی دی ہے، اسی طرح ڈاکٹروں اور حکیموں کے سامنے انسان کے بہت سے ایسے عیب بیان کئے جاتے ہیں

کہ ان کو دوسری جگہ اور دوسری طرح کوئی بیان کرے گا تو گالی سمجھی جائے، لیکن بغرض علاج ان کے بیان کرنے کو کوئی گالی دینا نہیں کہتا۔

اسی طرح قرآن کریم نے جا بجا بتوں کے بے حس وبے شعور اور بے علم وقدرت اور بے بس ہونے کو اس پیرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ سمجھنے والے حقیقت کو سمجھ لیں، اور نہ سمجھنے والوں کی غلطی یا کوتاہ نظری واضح ہوجائے، جس کے نتیجہ میں ارشاد ہوا ہے ضعف الطالب والمطلوب،"یعنی یہ بت بھی کمزور ہیں اور ان کے چاہنے والے بھی کمزور" یا یہ ارشاد ہوا ہے (آیت) انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم،"یعنی تم اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں"۔ یہاں بھی کسی کو برا بھلا کہنا مقصود نہیں، گمراہی اور غلطی کا انجامِ بد بیان کرنا مقصود ہے، اور فقہاء رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص اس آیت کو بھی مشرکین کو چڑانے کے سبب سے پڑھے تو اس کے لئے اس وقت یہ تلاوت کرنا بھی سبِّ ممنوع میں داخل اور ناجائز ہے، جیسے مواضع مکروہہ میں تلاوتِ قرآن کا ناجائز ہونا سب کو معلوم ہے۔ (روح المعانی)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی زبان مبارک اور قرآن کریم میں تو نہ پہلے کبھی ایسا کلام آیا تھا جس کو لوگ گالی سمجھیں، اور نہ آئندہ آنے کا کوئی خطرہ تھا، ہاں مسلمانوں سے اس کا امکان تھا ان کو اس آیت نے ایسا کرنے سے روک دیا۔

اس واقعہ اور اس پر قرآنی ہدایت نے ایک بڑے علم کا دروازہ کھول دیا، اور چند اصولی مسائل اس سے نکل آئے۔

کسی گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے:

مثلاً ایک اصول یہ نکل آیا کہ جو کام اپنی ذات کے اعتبار سے جائز بلکہ کسی درجہ میں محمود بھی ہو مگر اس کے کرنے سے کوئی فساد لازم آتا ہو، یا اس کے نتیجہ میں لوگ مبتلائے معصیت ہوتے ہوں وہ کام بھی ممنوع ہوجاتا ہے، کیونکہ معبوداتِ باطلہ یعنی بتوں کو برا کہنا کم از کم جائز تو ضرور ہے، اور ایمانی غیرت کے تقاضہ سے کہا جائے تو شاید اپنی ذات میں ثواب اور محمود بھی ہو ، مگر چونکہ اس کے نتیجہ میں یہ اندیشہ ہوگیا کہ لوگ اللہ جل شانہ کو برا کہیں گے تو بتوں کو برا کہنے والے اس برائی کا سبب بن جائیں گے، اس لئے اس جائز کام کو بھی منع کر دیا گیا۔

اس کی ایک اور مثال بھی حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی نہ دے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو کسی شخص سے ممکن ہی نہیں کہ اپنے

ماں باپ کو گالی دے، فرمایا کہ ہاں انسان خود تو ان کو گالی نہیں دیتا، لیکن جب وہ کسی دوسرے شخص کے ماں باپ کو گالی دے اور اس کے نتیجہ میں وہ دوسرا اس کے ماں باپ کو گالی دے، تو اس گالی دلوانے کا سبب یہ بیٹا بنا، تو یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے اس نے خود گالی دی۔

اسی معاملہ کی ایک دوسری مثال عہدِ رسالت میں یہ پیش آئی کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے فرمایا کہ بیت اللہ شریف زمانہ جاہلیت کے کسی حادثہ میں منہدم ہو گیا تھا تو قریش مکہ نے بعثت ونبوّت سے پہلے اس کی تعمیر کرائی، اس تعمیر میں چند چیزیں بناء ابراہیمی کے خلاف ہوگئیں، ایک تو یہ کہ جس حصہ کو حطیم کہا جاتا ہے یہ بھی بیت اللہ کا جُز ہے، تعمیر میں اس کو سرمایہ کم ہونے کی بناء پر چھوڑ دیا، دوسرے بیت اللہ شریف کے دو دروازے شرقی اور غربی تھے، ایک داخل ہونے کے لئے دوسرا باہر نکلنے کے لئے، اہل جاہلیت نے غربی دروازہ بند کرکے صرف ایک کر دیا، اور وہ بھی سطح زمین سے بلند کر دیا، تاکہ بیت اللہ شریف میں داخلہ صرف ان کی مرضی و اجازت سے ہوسکے، ہر شخص بے محابانہ جاسکے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ بیت اللہ کی موجودہ تعمیر کو منہدم کرکے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعمیر کے بالکل مطابق بنا دوں، مگر خطرہ یہ ہے کہ تمہاری قوم یعنی عام عرب ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں، بیت اللہ کو منہدم کرنے سے کہیں ان کے دلوں میں کچھ شبہات نہ پیدا ہو جائیں، اس لئے میں نے اپنے ارادہ کو ترک کر دیا۔

ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کو بناء ابراہیمی کے مطابق بنانا ایک اطاعت اور کار ثواب تھا، مگر اس پر لوگوں کی ناواقفیت کے سبب ایک خطرہ کا ترتب دیکھ کر آپ ﷺ نے اس ارادہ کو ترک فرما دیا اس واقعہ سے بھی یہی اصول مستفاد ہوا کہ اگر کسی جائز بلکہ ثواب کے کام پر کوئی مفسدہ لازم آتا ہو تو وہ جائز کام بھی ممنوع ہو جاتا ہے۔

لیکن اس پر ایک قوی اشکال ہے، جس کو روح المعانی میں ابو منصور سے نقل کیا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جہاد و قتال لازم فرمایا ہے، حالانکہ قتال کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ مسلمان کسی غیر مسلم کو قتل کرنے کے ارادہ کرے گا تو وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے، اور مسلمان کا قتل حرام ہے، تو اس اصول پر جہاد بھی ممنوع ہو جانا چاہئے، ایسے ہی ہماری تبلیغ اسلام اور تلاوت قرآن پر نیز اذان اور نماز پر بہت سے کفار مذاق اڑاتے اور مضحکہ بناتے ہیں، تو کیا ہم ان کے اس غلط رویہ کی بناء پر اپنی عبادات سے دستبردار ہو جائیں گے۔

اس کا جواب خود ابو منصور نے یہ دیا ہے کہ یہ اشکال ایک ضروری شرط کے نظر انداز کر دینے سے پیدا ہو گیا ہے، شرط یہ ہے کہ وہ جائز کام جس کو لزومِ مفسدہ کی وجہ سے منع کر دیا گیا ہے اسلام کے مقاصد اور ضروری کاموں میں سے نہ ہو، جیسے معبودات باطلہ کو برا کہنا، اس سے اسلام کا کوئی مقصد متعلق نہیں، اسی طرح بیت اللہ کی تعمیر کو بناء ابراہیمی کے مطابق بنانا اس پر بھی کوئی اسلامی مقصد موقوف نہیں، اس لئے جب اس پر کسی دینی مفسدہ کا خطرہ لاحق ہوا تو ان کاموں کو ترک کر دیا گیا، اور جو کام ایسے ہیں کہ اسلام میں خود مقصود ہیں، یا کوئی مقصد اسلامی اس پر موقوف ہے اگر دوسرے لوگوں کی غلط روی سے ان پر کوئی مفسدہ اور خرابی مرتب بھی ہوتی نظر آئے تو ان مقاصد کو ہرگز ترک نہ کیا جائے گا، بلکہ اس کی کوشش کی جائیگی کہ یہ کام تو اپنی جگہ جاری رہیں اور پیش آنے والے مفاسد جہاں تک ممکن ہو بند ہو جائیں ۔

یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ دونوں حضرات ایک جنازہ کی نماز میں شرکت کے لئے چلے، وہاں دیکھا کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی اجتماع ہے، اس کو دیکھ کر ابن سیرین واپس ہو گئے، مگر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگوں کی غلط روش کی وجہ سے ہم اپنے ضروری کام کیسے چھوڑ دیں، نماز جنازہ فرض ہے اس کو اس مفسدہ کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکا، ہاں اس کی کوشش تابمقدور کی جائے گی کہ یہ مفسدہ مٹ جائے۔ یہ واقعہ بھی روح المعانی میں نقل کیا گیا ہے۔

اس لئے خلاصہ اس اصول کا جو آیت مذکورہ سے نکلا ہے یہ ہو گیا کہ جو کام اپنی ذات میں جائز بلکہ اطاعت و ثواب بھی ہو مگر مقاصدِ شرعیہ میں سے نہ ہو، اگر اس کے کرنے پر کچھ مفاسد لازم آجائیں تو وہ کام ترک کر دینا واجب ہو جاتا ہے، بخلاف مقاصدِ شرعیہ کے کہ وہ لزومِ مفاسد کی وجہ سے ترک نہیں کئے جاسکتے۔

اس اصول سے فقہاء امت نے ہزاروں مسائل کے احکام نکالے ہیں، فقہاء نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کا بیٹا نافرمان ہو اور وہ یہ جانتا ہو کہ اس کو کسی کام کے کرنے کے لئے کہوں گا تو انکار کرے گا اور اس کے خلاف کرے گا جس سے اس کا سخت گناہگار ہونا لازم آئے گا تو ایسی صورت میں باپ کو چاہئے کہ اس کو حکم کے انداز میں کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے کو نہ کہے، بلکہ نصیحت کے انداز میں اس طرح کہے کہ فلاں کام کر لیا جائے تو بہت اچھا ہو، تاکہ انکار یا خلاف کرنے کی صورت میں ایک جدید نافرمانی کا گناہ اس پر عائد نہ ہو جائے (خلاصہ الفتاوٰی)

اسی طرح کسی کو وعظ و نصیحت کرنے میں بھی اگر قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ نصیحت قبول کرنے کے بجائے کوئی ایسا غلط انداز اختیار کرے گا ، جس کے نتیجہ میں وہ اور زیادہ گناہ میں مبتلا ہو جائے گا تو ایسی صورت میں نصیحت ترک کر دینا بہتر ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ میں اس موضوع پر ایک مستقل باب رکھا ہے باب من ترک بعض الاختیار مخافۃ ان یقصر فھم بعض الناس فقعوا فی اشد منہ، یعنی بعض اوقات جائز بلکہ مستحسن چیزوں کو اس لئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اس سے کم فہم عوام کو کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے، بشرطیکہ یہ کام مقاصدِ اسلامیہ میں داخل نہ ہو ۔

مگر جو کام مقاصدِ اسلامیہ میں داخل ہیں خواہ فرائض و واجبات ہوں یا سنن مؤ کدہ یا دوسری قسم کے شعائر اسلامی، اگر ان کے ادا کرنے سے کچھ کم فہم لوگ غلطی میں مبتلا ہونے لگیں تو ان کاموں کو ہرگز نہ چھوڑا جائے گا، بلکہ دوسرے طریقوں سے لوگوں کی غلط فہمی اور غلط کاری کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی، ابتداء اسلام کے واقعات شاہد ہیں کہ نماز و تلاوت اور تبلیغ اسلام کی وجہ سے مشرکین مکہ کو اشتعال ہوتا تھا، مگر اس کی وجہ سے ان شعائر اسلام کو کبھی ترک نہیں کیا گیا، بلکہ خود آیت مذکورہ کے شان نزول میں جو واقعہ ابوجہل وغیرہ رؤ ساء قریش کا ذکر کیا گیا ہے اس کا حاصل یہی تھا کہ قریشی سردار اس پر صلح کرنا چاہتے تھے کہ آپ ﷺ توحید کی تبلیغ کرنا چھوڑ دیں، جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ کام کسی حال میں نہیں کر سکتا اگرچہ وہ آفتاب و ماہتاب لاکر میرے ہاتھ پر رکھ دیں ۔

اس لئے اس مسئلہ کی تنقیح اس طرح ہوگئی کہ جو کام مقاصد اسلامیہ میں داخل ہیں اگر ان کے کرنے سے کچھ لوگ غلط فہمی یا غلط کاری کا شکار ہوتے ہوں تو ان کاموں کو ہرگز نہ چھوڑا جائے گا، ہاں جو کام مقاصدِ اسلامیہ میں داخل نہیں، اور ان کے ترک کر دینے سے کوئی دینی مقصد فوت نہیں ہوتا ایسے کاموں کو دوسروں کی غلط فہمی یا غلط کاری کے اندیشہ کی وجہ سے چھوڑ دیا جائیگا۔

لیکچر نمبر ۲

سورہ الاعراف ۱۹۹

خُذِ ٱلۡعَفۡوَ وَأۡمُرۡ بِٱلۡعُرۡفِ وَأَعۡرِضۡ عَنِ ٱلۡجَٰهِلِينَترجمہ:عادت کر درگزر کی اور حکم کر نیک کام کرنے کا اور کنارہ کر جاہلوں سے،تفسیر:خلاصہ تفسیر لوگوں سے یہ برتاؤ رکھئے کہ ان کے اعمال و اخلاق میں سے) سرسری (نظر میں جو) برتاؤ معقول و مناسب معلوم

ہوں ان) کو قبول کرلیا کیجئے (ان کی تہ اور حقیقت کی تلاش نہ کیجئے بلکہ ظاہری نظر میں سرسری طور پر جو کام کسی سے اچھا ہو اس کو بھلائی پر محمول کیجئے، باطن کا حال اللہ کے سپرد کیجئے کیونکہ پورا اخلاص و نیز شرائط قبول کی جامعیت اخص الخواص کا حصہ ہے، حاصل یہ کہ معاشرت میں سہولت رکھئے تشدد نہ کیجھئے ، یہ برتاؤ تو اچھے کاموں میں ہے) اور (جو کام ظاہر نظر میں بھی برا ہو اس میں یہ برتاؤ رکھئے کہ اس باب میں) نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہوجایا کیجئے (اور ان کے بہت درپے نہ ہوجئے) اور اگر (اتفاقا ان کی جہالت پر) آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے (غصہ کا) آنے لگے (جس میں احتمال ہو کہ کوئی بات خلاف مصلحت کے صادر ہوجائے) تو (ایسی حالت میں فورا) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلا شبہ وہ خوب جاننے والا ہے (آپ کے استعاذہ کو سنتا ہے، آپ کے مقصود کو جانتا ہے وہ آپ کو اس سے پناہ دے گا اور جس طرح استعاذہ و توجہ الی اللہ آپ کے لئے نافع ہے اسی طرح تمام خدا ترس لوگوں کے لئے بھی نافع ہے چنانچہ) یقینا (یہ بات ہے کہ) جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے (غصہ کا یا اور کسی امر کا) آجاتا ہے تو وہ (فورا خدا کی) یاد میں لگ جاتے ہیں (جیسے استعاذہ و دعا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و عذاب و ثواب کو یاد کرنا) سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں (اور حقیقت امر ان پر منکشف ہوجاتی ہے جس سے وہ خطرہ اثر نہیں کرتا) اور (برخلاف اس کے) جو شیاطین کے تابع ہیں وہ (شیاطین) ان کو گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں پس وہ (تابعین گمراہی سے) باز نہیں آتے (نہ وہ استعاذہ کریں نہ محفوظ رہیں، سو وہ مشرکین تو شیطان کے تابع ہیں یہ کب بازآئیں گے اس لئے ان کے غم و غصہ میں پڑنا بےکار ہے) معا رف ومسائلاخلاق قرآنی کا ایک جامع ہدایت نامہ:آیات مذکورہ قرآنی اخلاق فاضلہ کا ایک جامع ہدایت نامہ ہے جس کے ذریعہ رسول کریم ﷺ کی تربیت کرکے آپ کو تمام اولین و آخرین میں صاحب خلق عظیم کا خطاب دیا گیا ہے ۔ پچھلی آیتوں میں دشمنان اسلام کی کجروی ، ہٹ دھرمی اور بد اخلاقیوں کا ذکر کرنے کے بعد ان آیات میں اس کے بالمقابل رسول اللہ ﷺ کو اخلاق فاضلہ کی ہدایت دی گئی ہے جس کے تین جملے ہیں، پہلا جملہ خُذِ الْعَفْوَ ہے ، عربی لغت کے اعتبار سے لفظ عفو کے کئی معنی ہوسکتے ہیں اور اس موقع پر ہر معنی کی گنجائش ہے، اسی لئے علماء تفسیر کی مختلف جماعتوں نے مختلف معنی لئے ہیں، جمہور مفسرین نے جس کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ عفو کہا جاتا ہے ہر ایسے کام کو جو آسانی کے ساتھ بغیر کسی کلفت اور مشقت کے ہوسکے، تو معنی اس جملہ کے یہ ہوئے کہ آپ قبول کرلیا کریں اس چیز کو جو لوگ آسانی سے کرسکیں یعنی واجبات شرعیہ میں آپ لوگوں سے اعلی معیار کا مطالبہ نہ کریں بلکہ وہ جس پیمانہ پر آسانی سے عمل پیرا ہوسکیں آپ اتنے ہی درجہ کو قبول کرلیا کریں، مثلا نماز کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ بندہ ساری دنیا سے منقطع اور یکسو ہوکر اپنے رب کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے اس لئے کھڑا ہے کہ حمد و ثنا کے ساتھ اپنے معروضات کو بلاواسطہ بارگاہ الہی میں خود پیش کررہا ہے گویا وہ اس وقت براہ راست حق تعالیٰ شانہ سے مخاطب ہے ، اس کے جو آثار خشوع ، خضوع ادب و احترام کے ہونا چاہئیں، ظاہر ہے کہ لاکھوں نمازیوں میں سے کسی کسی اللہ کے بندے کو نصیب ہوتے ہیں عام لوگ اس درجہ کو نہیں پاسکتے تو اس آیت نے آنحضرت ﷺ کو یہ تعلیم دی کہ آپ ان لوگوں سے اس اعلی معیار کا مطالبہ ہی نہ رکھیں، بلکہ جس درجہ کو وہ آسانی سے حاصل کرسکتے ہیں وہ ہی قبول فرما لیں، اسی طرح دوسری عبادات زکوۃ، روزہ، حج اور عام معاملات و معاشرت کے واجبات شرعیہ میں جو لوگ پورا پورا حق ادا نہیں کرسکتے ان سے سرسری اطاعت و فرمانبرداری ہی کو قبول کرلیا جائے ۔ صحیح بخاری میں

بروایت عبداللہ بن زبیر خود آنحضرت ﷺ سے آیت کے یہی معنی نقل کئے گئے ہیں ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے پر فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اعمال و اخلاق میں سرسری اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا ہے ، میں نے عزم کر لیا ہے کہ جب تک میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں ایسا ہی عمل کروں گا (ابن کثیر) ائمہ تفسیر کی ایک بڑی جماعت حضرت عبداللہ بن عمر ، عبداللہ بن زبیر ، صدیقہ عائشہ اور مجاہد رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ نے اس جملہ کے بھی یہی معنی قرار دیئے ہیں ۔

دوسرے معنی عفو کے معافی اور درگزر کرنے کے بھی آتے ہیں، علماء تفسیر کی ایک جماعت نے اس جگہ یہی معنی مراد لے کر اس جملہ کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ آپ گناہگاروں خطاکاروں کے گناہ و قصور کو معاف کر دیا کریں ۔ امام تفسیر ابن جریر طبری نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے جبریل امین سے آیت کا مطلب پوچھا، جبریل امین نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کرنے کے بعد یہ مطلب بتلایا کہ اس آیت میں آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص آپ پر ظلم کرے آپ اس کو معاف کریں اور جو آپ کو کچھ نہ دے آپ اس پر بخشش کریں اور جو آپ سے تعلق قطع کرے آپ اس سے بھی ملا کریں ۔ اس جگہ ابن مردویہ نے بروایت سعد بن عبادہ نقل کیا ہے کہ غزوہ احد میں جب آنحضرت کے چچا حضرت حمزہ کو شہید کیا گیا اور بڑی بے دردی سے ان کے اعضاء کاٹ کر لاش کی بے حرمتی کی گئی تو آنحضرت ﷺ نے لاش کو اس ہیئت میں دیکھ کر فرمایا کہ جن لوگوں نے حمزہ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے میں ان کے ستر آدمیوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرکے چھوڑوں گا ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو بتلایا گیا کہ آپ کا یہ مقام نہیں، آپ کے شایان شان یہ ہے کہ عفو و درگزر سے کام لیں ۔ اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد نے عقبہ بن عامر کی روایت سے نقل کی ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے جو مکارم اخلاق کی تعلیم دی وہ وہی تھی کہ جو شخص تم پر ظلم کرے اس کو معاف کردو، جو تم سے قطع تعلق کردے تم اس سے ملا کرو، جو تمہیں محروم کردے تم اس کو بخشش دیا کرو ۔ اور بیہقی نے بروایت علی مرتضی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو اولین و آخرین کے اخلاق سے بہتر اخلاق کی تعلیم دیتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جو شخص تم کو محروم کرے تم اس پر بخشش کرو، جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کردو، جو تم سے تعلق قطع کرے تم اس سے بھی ملا کرو ۔ لفظ عفو کے پہلے اور دوسرے معنی میں اگرچہ فرق ہے لیکن حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ لوگوں کے اعمال و اخلاق میں سرسری اطاعت و فرمانبرداری کو قبول فرمالیا کریں، زیادہ تجس اور تفتیش میں نہ پڑیں، اور ان سے اعلی معیار کی اطاعت کا مطالبہ نہ کریں اور ان کی خطاؤں اور قصور سے درگزر فرمائیں، ظلم کا انتقام نہ لیں، چنانچہ رسول کریم ﷺ کے اعمال و اخلاق ہمیشہ اسی سانچے میں ڈھلے رہے، جس کا پورا مظاہرہ اس وقت ہوا جب مکہ فتح ہوکر آپ کے جانی دشمن آپ کے قبضہ میں آئے تو آپ نے سب کو آزاد کرکے فرما دیا کہ تمہارے مظالم کا بدلہ لینا تو کیا ہم تمہیں پچھلے معاملات پر ملامت بھی نہیں کرتے ۔دوسرا جملہ اس ہدایت نامہ کا وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ ہے ، عرف بمعنی معروف ہر اچھے اور مستحسن کام کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آپ کے ساتھ برائی اور ظلم سے پیش آئیں آپ ان سے انتقام نہ لیں بلکہ معاف کردیں مگر ساتھ ہی ان کو نیک کام کی ہدایت بھی کرتے رہیں، گویا بدی کا بدلہ نیکی سے ظلم کا بدلہ صرف انصاف ہی سے نہیں بلکہ احسان سے دیں ۔ تیسرا جملہ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جاہلوں سے آپ کنارہ کش ہوجائیں، مطلب یہ ہے کہ ظلم کا انتقام چھوڑ کر آپ ان کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کریں اور نرمی کے ساتھ ان کو حق بات بتلائیں مگر

بہت سے جاہل ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس شریفانہ معاملہ سے متاثر نہیں ہوتے، اس کے باوجود جہالت اور سختی سے پیش آتے ہیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ آپ کا معاملہ یہ ہونا چاہئے کہ ان کے دلخراش اور جاہلانہ کلام سے متاثر ہوکر انہیں جیسی سخت گفتگو نہ کریں بلکہ ان سے کنارہ کش ہوجائیں ۔ امام تفسیر ابن کیثر نے فرمایا کہ کنارہ کش ہونے کا بھی مطلب یہ ہے کہ ان کی برائی کا جواب برائی سے نہ دیں، یہ معنی نہیں کہ ان کو ہدایت کرنا چھوڑ دیں کہ یہ وظیفہ رسالت و نبوت کے شایان شان نہیں ۔ صحیح بخاری میں اس جگہ ایک واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم کی خلافت کے زمانہ میں عیینہ ابن حصن مدینہ میں آیا اور اپنے بھتیجہ حر ابن قیس کا مہمان ہوا، حضرت حر بن قیس ان اہل علم حضرات میں سے تھے جو حضرت فاروق اعظم کی مجلس مشاورت میں شریک ہوا کرتے تھے، عیینہ نے اپنے بھتیجہ حر بن قیس سے کہا کہ تم امیر المومنین کے مقرب ہو میرے لئے ان سے ملاقات کا کوئی وقت لے لو، حر بن قیس نے فاروق اعظم سے درخواست کی کہ میرا چچا عیینہ آپ سے ملنا چاہتا ہے ، آپ نے اجازت دے دی ۔ مگر عیینہ نے فاروق اعظم کی مجلس میں پہنچ کر نہایت غیر مہذب اور غلط گفتگو کی کہ نہ آپ ہمیں ہمارا پورا حق دیتے ہیں نہ ہمارے ساتھ انصاف کرتے ہیں، فاروق اعظم کو اس پر غصہ آیا تو حر بن قیس نے عرض کیا کہ امیر المومنین، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (آیت) خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ، اور یہ شخص بھی جاہلین میں سے ہے، یہ آیت سنتے ہی فاروق اعظم کا سارا غصہ ختم ہوگیا اور اس کو کچھ نہیں کہا، حضرت فاروق اعظم کی یہ عادت معروف و مشہور تھی کہ کان وقافا عند کتاب اللہ عز وجل یعنی کتاب اللہ کے احکام کے آگے گردن ڈالتے تھے ۔ یہ آیت مکارم اخلاق کی جامع آیت ہے، بعض علماء نے اس کا خلاصہ یہ بیان فرمایا ہے کہ لوگ دو قسم کے ہیں ایک محسن یعنی اچھے کام کرنے والے، دوسرے بدکار ظالم، اس آیت نے دونوں طبقوں کے ساتھ اخلاق کریمانہ برتنے کی یہ ہدایت دی ہے کہ نیک کام کرنے والوں سے ان کی ظاہری نیکی کو قبول کرلو، زیادہ تفتیش و تجسس میں نہ پڑو، اور نیکی کے اعلی معیار کا ان سے مطالبہ نہ کرو بلکہ جتنا وہ آسانی سے کرسکیں اس کو کافی سمجھو، اور بدکاروں کے معاملہ میں یہ ہدایت کی کہ ان کو نیک کام سکھلاؤ اور نیکی کا راستہ بتلاؤ ، اگر وہ اس کو قبول نہ کریں اور اپنی گمراہی اور غطلی پر جمے رہیں اور جاہلانہ گفتگو سے پیش آئیں تو ان سے علیحدہ ہوجائیں اور ان کی جاہلانہ گفتگو کا جواب نہ دیں، اس طرز سے یہ امید ہے کہ ان کو کسی وقت ہوش آئے اور اپنی غطلی سے باز آجائیں ۔

سورہ الحجر ایت نمبر ۸۵

وَمَا خَلَقْنَا ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِلَّا بِٱلْحَقِّ ۗ وَإِنَّ ٱلسَّاعَةَ لَءَاتِيَةٌ ۖ فَٱصْفَحِ ٱلصَّفْحَ ٱلْجَمِيلَ ترجمہ: We did not create the heavens and the earth and all that is in between them without a truthful purpose. The Hour is sure to come. Therefore, overlook (their evil behavior) in a gracious manner.

تفسیر: یعنی اس کائنات کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نیک لوگوں کو آخرت میں انعام دیا جائے ، اور نافرمانوں کو سزا دی جائے ، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ ان کافروں کے اعمال کے ذمہ دار نہیں ہیں ، بلکہ ان کا فیصلہ اللہ تعالی خود کرے گا۔

: درگزر سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کو تبلیغ نہ کی جائے ؛بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کو سزا دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے ، مکی زندگی میں ان سے لڑنے کی بھی اجازت نہیں تھی ،

اور ان کی طرف سے جو اذیتیں مسلمانوں کو پہنچ رہی تھیں ، ان کا بدلہ لینے کا بھی حکم نہیں تھا ، در گزر کرنے سے یہ مراد ہے کہ فی الحال ان سے کوئی بدلہ بھی نہ لو، اس طرح مسلمانوں کو تکلیفوں کی بھٹی سے گزار کر ان میں اعلی اخلاق پیدا کئے جارہے تھے۔
لیکچر نمبر ۳
سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۵٦
ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَٰبَتۡهُم مُّصِيبَةٞ قَالُوٓاْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيۡهِ رَٰجِعُونَترجمہ:کہ جب پہنچے ان کو مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں،تفسیر:مصائب پر صبر کے آسان کرنے کی خاص تدبیر:ف: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بندوں کا امتحان ہوتا ہے اس کی حقیقت آیت وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰھِمَ رَبُّہٗ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور حوادث کے واقع ہونے سے پہلے ان کی خبر دیدینے میں یہ فائدہ ہوا کہ صبر آسان ہو جاتا ہے ورنہ دفعۃ کوئی صدمہ پڑنے سے زیادہ پریشانی ہوتی ہے اور یہ خطاب ساری امت کو ہے تو سب کو سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا دار المحن ہے (یعنی محنتوں اور تکلیفوں کی جگہ ہے) اس لئے یہاں کے حوادث کو عجیب اور بعید نہ سمجھا جاوے تو بےصبری نہ ہوگی اور چونکہ یہ لوگ نفس عمل صبر میں سب مشترک ہیں اس لئے اس کا صلہ مشترکہ تو عام رحمت ہے جو نفسِ صبر پر موعود ہے اور چونکہ مقدار اور شان اور خصوصیت پر صابر کے صبر کی جدا ہے اس لئے ان خصوصیات کا صلہ جدا جدا خاص عنایتوں سے ہوگا جو ان خاص خصوصیات پر موعود ہیں جیسے دنیا میں مواقع انعام پر دعوت طعام تو عام ہوتی پھر روپے اور جوڑے ہر ایک کو علی قدر الحیثیت والخدمت دئیے جاتے ہیں ، مصیبت میں انا للہ کو سمجھ کر پڑھا جائے تو تسکین قلب کا بہترین علاج ہے:صابرین کی طرف نسبت کرکے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کہا کرتے ہیں حقیقت میں مقصود اس کی تعلیم سے یہ ہے کہ مصیبت والوں کو ایسا کہنا چاہئے کیونکہ ایسا کہنے میں ثواب بھی بڑا ہے اور اگر دل سے سمجھ کر یہ الفاظ کہے جائیں تو غم ورنج کے دور کرنے اور قلب کو تسلی دینے کے معاملہ میں بھی اکسیر کا حکم رکھتے ہیں ۔

سورہ النحل ۱۲۵
ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ وَٱلۡمَوۡعِظَةِ ٱلۡحَسَنَةِۖ وَجَٰدِلۡهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعۡلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِۦۖ وَهُوَ أَعۡلَمُ بِٱلۡمُهۡتَدِينَ
ترجمہ:آداب دعوت و تبلیغقال اللہ تعالیٰ: ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ .... الیٰ .... والذین ہم محسنون۔(ربط) گزشتہ آیت میں ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم تھا اور اسلام اور صراط مستقیم کی دعوت ملت ابراہیمی کا مقصود اصل اور اولیٰ تھا۔ اب ان آیات میں دعوت اسلام اور تبلیغ کے آداب بتلاتے ہیں کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت میں کن امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے یعنی حکمت اور موعظت اور مجادلہ حسنہ کو ملحوظ رکھیں اور اگر کفار کی طرف سے کوئی اذیت اور تکلیف پہنچے تو اگرچہ انتقام جائز ہے لیکن اگر صبر اور تقویٰ سے کام لیں تو بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے متقین اور محسنین سے اپنی معیت خاصہ کا وعدہ فرمایا ہے اور صبر اور تقویٰ اور احسان یعنی اخلاص اور خدا پرستی بھی فلاح اور کامیابی کی کنجی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے نبی دعوت دے اور بلا تو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف علم و حکمت کی باتوں کے ساتھ یعنی محکم دلائل کے ساتھ۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے محکم دلائل سے شمس و قمر اور کواکب کی الوہیت کو باطل کیا اور خدا کی توحید کی دعوت دی اور عمدہ نصیحت کے ساتھ یعنی نرمی اور دلسوزی کے ساتھ ان کو حق کی

دعوت دو جس سے مقصود ان کی خیر خواہی ہو نہ کہ فصیحت۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی یابت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصرہ ولا یغنی عنک شیئا الیٰ آخرھا یہ سب عمدہ نصیحت بھی تھی اور علم و حکمت کی باتیں بھی تھیں اور اگر بحث و مباحثہ آپڑے تو نہایت عمدہ طریقے کے ساتھ ان سے مناظرہ کرو۔ یعنی ان پر ایست طریقے سے حجت اور الزام قائم کرو جس میں خشونت اور سخونت نہ ہو جس سے وہ دشمنی پر آمادہ ہو جائیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے جواب میں کہا۔ فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب نمرود اس حجت الزامیہ کو سن کر مبہوت ہوگیا۔ پس اگر اگر آپ نے ایسا کر لیا تو دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا ہوگیا اب آپ اس فکر میں نہ پڑئیے کہ کس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور کس نے رد کیا بے شک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے بہکا اور دعوت سراپا عظمت اور حسن موعظت اور حسن مجادلت کے باوجود باطل سے حق کی طرف نہ آیا اور وہی خوب جانتا ہے ان کو جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزاء و سزا دے گا۔ تیرا کام صرف حکم پہنچا دینا ہے اور اگر دعوت و تبلیغ کی راہ میں تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں تو تم اپنا بدلہ لینے پر بھی قادر ہوتو اگر بدلہ لینا چاہو تو اتنا ہی بدلہ لے لو مگر ان کی طرف سے ستائے گئے ہو اور عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ بمقدار ظلم بدلہ لے لو مگر زیادتی نہ کرو یہ رخصت اور اجازت ہے اور اگر تم صبر کرو تو صبر کرنا صابروں کے حق میں بہتر ہے۔ یہ درجہ عزیمت کا ہے کہ جو تمہیں ستائے اس کا قصور معاف کردو اور اگر اس پر تمہارا دل آمادہ نہ ہوتو اتنا ہی بدلہ لے لو اپنی طرف سے زیادتی نہ کرو اس سے بڑھ کر حسن اخلاق کی تعلیم نہیں ہوسکتی اگر برابر برابر بدلہ لء لیا تو یہ عدل و انصاف ہوا اور اگر معاف کر دیا تو یہ احسان ہوگا اور صبر اگرچہ اوروں کے حق میں واجب اور لازم نہیں ۔ مگر اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر صبر لازم ہے۔ آپ ضرور صبر کیجئے اور آپ کا صبر خاص خدا کی تائید اور توفیق سے ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تسلی رکھیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس صبر میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی مخالفت پر رنجیدہ نہ ہوں اور غمگین نہ ہوں اور نہ ان کے مکر و فریب سے تنگ دل ہوں۔ یہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اور اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صفت تقویٰ اور صفت احسان کے ساتھ موصوف کیا ہے۔ اور اللہ کا وعدہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص الخاص رحمت اور عنایت سے ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو پرہیزگار ہیں اور مخلص نیکوکار ہیں جس درجہ کا تقویٰ اور احسان یعنی اخلاص ہوگا اسی درجہ کی معیت اور اعانت غیبی اس کے ساتھ ہوگی ۔ تقویٰ کے معنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے ہیں اور احسان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی اطاعت اور بندگی اس طرح کرے گویا وہ خدا جل شانہ کو دیکھ رہا ہے اور معیت سے معیت خاصہ مراد ہے یعنی نصرت و حمایت و تائید و تقویت، کما قال اللہ تعالیٰ: لا تخافا اننی معکما اسمع واری۔ لاتحزن ان اللہ معنا۔ ان آیات میں معیت سے معیت خاصہ مراد ہے اور حق جل شانہ کے اس ارشاد وھو معکم اینما کنتم میں معیت سے مراد معیت عامہ ہے۔ یعنی احاطہ علمی مراد ہے۔

لیکچر نمبر ۴

سورہ حجرات کا تعارف ربط اور شان نزول(آیت نمبر ۱تا ۸)

آیت نمبر ۱

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُقَدِّمُواْ بَيۡنَ يَدَيِ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٞ

اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہو اللہ سے، اللہ سنتا ہے جانتا ہے
آیت نمبر ۲
يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَرۡفَعُوٓاْ أَصۡوَٰتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ ٱلنَّبِيِّ وَلَا تَجۡهَرُواْ لَهُۥ بِٱلۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ أَن تَحۡبَطَ أَعۡمَٰلُكُمۡ وَأَنتُمۡ لَا تَشۡعُرُونَترجمہ: جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس وہی ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطےان کے لیے معافی ہے اور ثواب بڑا ۔
آیت نمبر ۳
جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے.
آیت نمبر ۴
جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔
.سورہ حجرات سورہ مدنیہ ہے جس کی اٹھارہ آیات اور دورکو ع ہیں۔ (پچھلی سورت سے ربط) گذشتہ سورت میں فتح مبین کا اعلان اور فتح خیبر کی بشارت تھی ، فارس اور روم سے جہاد کا ذکر تھا جو خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانہ میں ہوا ان مضامین کے ساتھ مخلصین اور غیر مخلصین کا فرق اور ان کے کچھ احوال بھی بیان ہوئے اور اہل ایمان میں وہ ہستیاں جن کو حق تعالیٰ شانہ نے امت کے واسطے ایک نمونہ بنایا یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خاص طور سے ان کے اوصاف وفضائل بیان کئے گئے تو اب اس سورت میں بوضاحت خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ایمان وانقیاد واطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کاوہ رنگ بیان کیا جارہا ہے جس کے باعث وہ ان کرامتوں اور بشارتوں کے مستحق ہوتے جو گزشتہ سورت میں بیان کی گئیں اور ساتھ ہی انکے قلوب کی پاکی اور تقوی کے امتحان کا ذکر ہے کہ (آیت)'' اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی ''۔ کہ خداوند عالم نے انکے دلوں اور قلوب کے باطنی تقوی کا امتحان لے لیا ہے جس میں الحمد للہ انکی کامیابی کا اعلان ان کلمات نے کردیا جس کے اولین اور عظیم ترین مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ ہں جیسا کہ مفسرین نے اس کے شان نزول میں بیان کیا اسی کے ساتھ آداب رسول اور حقوق رسالت کا بھی بیان ہے کہ امتی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کیا کیا حقوق عائدہیں۔
حقوق آداب وعظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم وانحصار فلاح وسعادت درانقیاد واطاعت پیش فرامین بارگاہ رسالت : (ربط) سورہ فتح کا اختتام حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے خصوصی اوصاف وفضائل وکمالات کے ذکر پر ہوا تھا تو اب اس سور ت میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ امت پر رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کیا کیا حقوق عائد ہیں ۔ اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اللہ نے جو ایسے فضائل وکمالات سے نوازا تھا وہ ان کے انقعادواطاعت ہی کے باعث تھا ، دلوں کے تقوی کے ساتھ ظاہری آداب اور حقوق عظمت کا کس قدر لحاظ تھا کہ مجلس میں جب بیٹھتے تو وہی شان ہوتی جو احادیث میں فرمائی گئی کہ کان علی رؤسنا الطیر گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں تو ان مضامین کا آغاز رسول اعظم کے حق تعظیم وتبجیل کے بیان سے کیا جارہا ہے ارشاد فرمایا۔ اے ایمان والو! ہر گز آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اسکے رسول سے کہ اللہ اور اسکے رسول کے فیصلہ اور اسکی بات سے آگے بڑھو اسکی خلاف ورزی یا اپنی بات کو رسول خدا کی بات پر اونچی کردیا کسی معاملہ میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فیصلہ سے پہلے ہی کچھ طے کر لو یا اپنی رائے کے مقابلہ میں وحی

الہی کو نظر انداز کردو ۔۱حاشیہ (یہ کلمات اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ خدا اور اسکے رسول سے آگے بڑھنے کی یہ متعدد صورتیں ہیں کسی مومن کے لئے ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیارکرنا یہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا ہے ۱۲) بلکہ اس کے برعکس ہر حکم الہی اور فیصلہ رسول کو بے چون وچرا سنو اور اس کی اطاعت کرو اور اس کے خلاف دل میں بھی کسی قسم کی تنگی نہ رکھو اپنی اغراض وخواہشات اور جذبات وحی الہی کے تابع کردو اور اللہ سے ڈرتے رہو ، یہی خوف خدا اور خشیت وتقوی اس امر کا ضامن ہوگا کہ تم کسی بھی مرحلہ پر خدا اور اس کے رسول سے آگے قدم نہ بڑھا سکوگے اور یہ باطنی تقوی اس اعتقاد پر موقوف ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے اس لئے کسی انسان کا کوئی قول وفعل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا ہے اللہ رب العزت کی سچی فرمان برداری اور کامل اطاعت اس کے رسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی اطاعت وفرمانبرداری میں مضمر ہے اور اطاعت وفرمانبرداری تعظیم وتوقیر اور ادب پر موقوف ہے اس لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی توقیر وتعظیم کا یہ حق ہے کہ اے ایمان والو تم بلند نہ کرو اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز پر اور نہ تڑخ کر بات کرو ان سے جیسے کہ تم ایک دوسرے پر تڑختے ہو اور سخت لب ولہجہ میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو ہر گز اس طرح کی بے ادبی اور بے حرمتی خدا کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ بات کرنے میں اختیار نہ کرنا کہیں ایسا نہ تمہارے اعمال نیکیاں برباد ہوجائیں اور تم کو خبر ہی نہ ہو اس لئے کہ اس قسم کی بے حرمتی اور بے ادبی سے گفتگو کرنا رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اذیت اور دل آزاری کا ذریعہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اذیت پہنچانا یا ایسی کوئی حرکت کرنا جس سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قلب مبارک پر تکدر واقع ہوا صل ایمان ہی کی بربادی کا باعث ہے جیسا کہ سورہ احزاب میں واضح طور پر اعلان فرما دیا گیا (آیت)'' ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ ''۔ بے شک جو لوگ اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس اور جب بھی وہ مجلس رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعظیم وتوقیر میں آوازیں پست رکھتے ہیں اور آپ کی ہیبت ورعب ان پر اس قدر طاری رہتا ہے کہ آواز ہی گویا نہیں نکلتی تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے جانچ لیا ہے تقوی کے واسطے کہ ادب کی تخم ریزی کے لیے ان کے قلوب کو پرکھا اور ان کو مانجھ کر اور صیقل کرکے تقوی وطہارت سے مزین کیا ان کے واسطے درگزرہے ان کی کوتاہیوں سے اور بڑا ہی ثواب ہے جو ان کو ایمان واخلاص رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احکام کی اطاعت وفرمان برداری اور ان کی تعظیم وتوقیر پر بارگاہ رب العزت سے عطا کیا جائے گا ۔ الغرض یہ ایمان کے بنیادی تقاضے ہیں جن کی رعایت اور تکمیل ہر مومن پر فرض ہے کامل اطاعت وفرمانبرداری کہ ہر حکم خدا اور رسول کے سامنے سرنگوں ہوجانا اور کسی بھی بات میں فرمان خداوندی اور حکم رسول سے آگے نہ بڑھنا جس کی اساس تقوی ہے پیغمبر خدا کا ادب اور تعظیم وتوقیر اور ہر ایسی بات سے اجتناب واحتیاط جس سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تکدر یا د لآزاری ہو۔ بارگاہ رسالت میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شان ادب وتواضع : حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زندگیوں میں پیش آنے والے بہت سے واقعات امت کے واسطے عظیم رحمت اور سامان ہدایت بنتے ہیں کہ قیامت تک کے واسطے ایک ایسا ضابطہ میسر آجاتا ہے کہ اس پر ایمانی زندگیوں کی تعمیر وتشکیل کی جا سکے ۔ حضرات مفسرین بیان کرتے ہیں کہ آیت ''۔ لا ترفعوا اصواتکم ''۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے ایک واقعہ میں

نازل ہوئی ، بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (صحیح بخاری ج ۲ کتاب التفسیر ۱۲) ابن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی آواز آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مجلس میں بلند ہوگئی جب کہ بنو تمیم کا ایک وفد آیا تو ان میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ امیر اقرع بن حابس رضی اللہ تعالی عنہ کو بنایا جائے دوسرے نے کہا نہیں ان کو نہیں کسی ۔۱حاشیہ (بعض روایات سے ان کا نام معلوم ہوا قعقاع بن معبد رضی اللہ تعالی عنہ ۔۱۲) کسی اور کو بنایا جائے اس پر ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا تم نے میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہوئے اس کے خلاف کہا انہوں نے جواب دیا ، نہیں میں نے تمہاری مخالفت کا کوئی قصد نہیں کیا تو اس وقت ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے کچھ آواز بلند ہوگئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (آیت)'' لا ترفعوا اصواتکم ''۔ اس کے بعد ان حضرات کی تو یہ کیفیت ہوگئی کہ بات کرتے وقت انکی آواز ہی نہیں سنائی دیتی تھی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بار بار پوچھنا پڑتا تھا کہ بھائی کیا کہہ رہے ہو ۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے مسند بزار کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اب آئندہ کبھی بھی کوئی بات نہ کروں گا مگر صرف اسی طرح کہ جیسے کوئی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سرگوشی کرنے والا ہو۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آداب عظمت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر بعض ایسے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جن کی قدرۃ آواز اونچی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہونا ہی چھوڑ دیا ۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ انصار کے خطیب تھے اور نہایت بلند آواز تھے ارادہ کرکے بھی آہستہ آہستہ بولتے تب بھی انکی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آواز سے اونچی ہی ہوجاتی تو انہوں نے ڈر کر مجلس ہی میں حاض ہونا ترک کردیا اور یہی سمجھا کہ جب بھی بولوں گا آواز اونچی ہوجائے گی اور اس طرح وعید (آیت)'' ان تحبط اعمالکم ''۔ کی زد میں آجاؤنگا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کئی روز ثابت بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ کو مجلس میں نہ دیکھنے کی وجہ سے دریافت فرمایا کہ کیا ہو ا ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کو ؟ کیا وہ بیمار ہے ؟ (کہ نہیں آرہا ہے) ایک صحابی نے اس کا تذکرہ کیا تو ثابت بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ سبب بیان کیا اور کہا کہ ایسی صورت میں مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں اہل نارمیں سے ہوجاؤں گا ان صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ وجہ بیان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا نہیں بل ھو من اہل الجنۃ بلکہ وہ تو اہل جنت میں سے ہے ۔ ۲حاشیہ (صحیح بخاری ۔ صحیح مسلم ۔) ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ثابت رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا اے ثابت کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم زندگی گزارو قابل تعریف زندگی اور اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہو اور جنت میں داخل ہوجاؤ بولے کیوں نہیں یارسول اللہ میں راضی ہوں اللہ اور اس کے رسول کی بشارت پر ۔۱حاشیہ (اخرجہ الامام احمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۲) احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے مسجد میں دو شخصوں کی آواز سنی تو ان کو تنبیہ فرمائی اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہو معلوم ہوا کہ یہ اہل طائف ہیں تو فرمایا اگر یہاں مدینہ کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (افسوس کی بات ہے کہ) تم اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں اس حدیث سے علماء امت نے یہ حکم اخذ فرمایا ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا احترام آپ صلی اللہ علیہ

والہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تھا اسی طرح کا احترام وتوقیر اب بھی لازم ہے کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حی (زندہ) ہیں اور جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دنیوی حیات مبارکہ میں (آیت)'' لا تجھروا لہ بالقول ''۔ کی حرمت وممانعت تھی اسی طرح اب بھی ہے اس لیے قبر مبارک کے پاس بلند آواز سے بات کرنا اور سخت لب ولہجہ اختیار کرنا ممنوع ہے وقار وسکون اور تعظیم وتکریم ملحوظ رکھتے ہوئے بات کرے ۔ ۲حاشیہ (تفسیر ابن کثیر ج ٤) ف : حبط اعمال کی وعید کفر وشرک اور ارتداد کے بعد اس پر بیان فرمائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا کے مقابلہ میں بے تمیزی اور گستاخی ارتداد اور کفر کے درجہ کی معصیت ہے کیونکہ یہ چیز ایذاء رسول ہے اور رسول خدا کو ایذاء پہنچانا ایمان سے محرومی ہے ۔ العیاذ باللہ ۔

لیکچر نمبر ۵
آیت نمبر ۹تا
فَضۡلٗا مِّنَ ٱللَّهِ وَنِعۡمَةٗۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ
ترجمہ:ترغیب وتاکید باہمی اخوت وہمدردی وتنبیہ وتہدید برتحقیر وتذلیل : قال اللہ تعالیٰ : (آیت)''وان طآئفتن من ال مومن ین .....الی .....فاولٓئک ھم الظلمون ''۔ (ربط) گذشتہ آیات میں اس امر پر تنبیہ کی گئی تھی کہ کسی غیر مستند اور غیر معتبر بات کو سن کر اس پر یقین نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کی تحقیق کرلی جائے محض افواہوں سے متاثر ہوکر جذبات میں مغلوب ہوجانا بہت سے مفاسد اور فتنوں کا ذریعہ ہے اور باہمی منازعت وخصومت کا اس سے دروازہ کھل جاتا ہے تو ان آیات میں اس کے بالمقابل ایسی ہدایت وتعلیم دی جارہی ہے کہ مسلمان قوم کو چاہئے کہ وحدت واخوت قائم رکھے، باہمی منازعت اور اختلاف وخصومت سے پوری طرح بچے اور اگر کسی وقت دو جماعتوں میں اختلاف ونزاع کی صورت پیدا ہوجائے تو ان کے درمیان مصالحت کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ امت اس طرح کی باہمی خصومتوں سے خود اپنے آپ کو تباہ وبرباد نہ کرڈالے اور خود اپنے ہاتھوں اپنی عظمت وشوکت کو پامال نہ کرلے ، اخوت ووحدت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی تحقیر اور طعن وتشنیع سے بھی پرہیز کرے کیوں کہ اس قسم کی باتیں باہمی محبت کی بجائے منافرت اور بغض واختلاف پیدا کرتی ہیں جس کا انجام قوم من حیث القوم ہلاکت وتباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو ارشاد فرمایا جارہا ہے ۔اور اگر دوگروہ مسلمانوں کے آپس میں لڑپڑیں تو انکے درمیان صلح کرا دو پھر اگر چڑھا چلا آئے ان میں سے ایک دوسرے پر تو تم قتال کرو (لڑو) اس گروہ سے جو چڑھ آئے اور زیادتی کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم اور قانون کی طرف پھر اگر رجوع کرلے وہ گروہ تو انکے درمیان صلح کرادوعدل وانصاف کے ساتھ اور ہمیشہ ہر معاملہ میں انصاف کیا کرو اللہ تعالیٰ بے شک انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے بہرحال مسلمانوں کو ہر معاملہ میں ایسے ہی عدل وانصاف اور باہمی اخوت ومحبت کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لئے کوشش کرتے رہنا چاہئے جذبات اور اغراض میں ایک دوسرے پر ظلم کیا جاتا ہے لیکن ایسی صورت میں دو صورت میں دو جماعتیں باہم لڑیں تو مسلمانوں کو اپنی اجتماعی قوت اور فہم وفکر کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے ہوئے ان جماعتوں میں مصالحت کرادینی چاہئے یکسو اور بے تعلق ہوکر بیٹھے رہنا درست نہیں زیادتی کے مرتکب فریق کو مجبور کریں کہ وہ اپنی زیادتی سے باز آجائے نزاعات اور خصومتوں کے پیش آنے کا امکان صرف اسی وجہ سے ہے کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ محبت ویگانگت نہ ہو ، حالانکہ اسلام ایک ایسا قوی ومضبوط رشتہ ہے جو تمام امت کو وحدت واخوت کی لڑی میں

منسلک کردیتا ہے تو اس رشتہ اخوت ومحبت سے ہر گز غفلت نہ اختیار کرنی چاہئے یہ حقیقت ہے کہ تمام مسلمان باہم ایک دوسرے کے بھائی ہیں تو اگر کسی وقت اختلاف پیش آجائے تو ملاب کرا دیا کرو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور اللہ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم پر مہربانی کی جائے اس لئے کہ خوف خدا اور تقوی ہی تمام احوال کی اصلاح کا ضامن اور حق تعالیٰ کی عنایات ومہربانیوں کا موجب ہے ۔ نزاع واختلاف اور باہمی منافرت وعداوت اور اس کے نتیجہ میں خصومتوں کا سلسلہ تحقیر وتذلیل اور استہزاء وتمسخر سے پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے محبت واخلاص ختم ہوکر شکوک وادہام اور تنفردلوں میں راسخ ہوجاتا ہے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنا معاشرہ ان برائیوں سے پاک کریں اس لئے یہ حکم ہے کہ اے ایمان والو ! ہر گز تمسخر اور ٹھٹھا پن نہ کرے ایک قوم دوسری قوم سے شاید وہ لوگ ان سے بہتر ہوں جو ان کا مذاق اڑا رہے ہیں اور عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ برے القاب سے ایک دوسرے کو چڑاؤ بہت ہی برا ہے گنہ گاری کا نام ایمان کے بعد کیونکہ اس طرح سے مسلمان بھائی کی تحقیر وتذلیل اس کے مومن ہونے کے بعد اس کو فاسق وفاجر کے درجہ میں شمار کرنا ہے ۔ اور ساتھ ۔ ۱حاشیہ (اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ الاسم الفسوق کا مرجع دونوں جانبیں ہیں، خود طعن وتشنیع اور تحقیر کرنے والا اور وہ شخص جس کی تحقیر وتوہین کے لیے ایسے لغو اور بے ہودہ عنوانات اختیارکئے جائیں ۔)ہی خود یہ شخص جو مسلمان ہوکر بھی ایسی روش اختیار کرتا ہے اپنے مومن ہونے کے ساتھ فاسقانہ کردار پیش کررہا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص کذاب ومفسد ہے اور ایذاء رسانی وافتراء پردازی بھی کررہا ہے تو مومن ہو کر ایسے کام کرنا اپنے کو فاسق وفاجر کے عنوان سے موسوم کرنا ہے جو نہایت ہی بدترین نام ہوسکتا ہے بعد اس کے کہ کوئی شخص مسلمان ہو۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کو چاہئے کہ نادم وشرمندہ ہوکر تائب ہوجائے اور اگر ایسے لوگ توبہ نہ کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے (جو اپنی ذات پر ہوگا اور دوسروں پر بھی یہ ظلم وتعدی ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی بے حرمتی کا موجب ہوگا) اہل ایمان کے دو (۲) گروہوں کے درمیان باہمی قتال کی صورت میں تمام مسلمانوں پر ذمہ داری :آیت مبارکہ (آیت)''وان طآئفتان من ال مومن ین ''۔ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر کسی قسم کا اختلاف ونزاع مقاتلہ کی صورت اختیار کرلے تو مسلمانوں میں سے اہل فہم اور ارباب حل وعقد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس منازعت ومخالفت کو ختم کرانے کی پوری جدوجہد کریں اور آپس میں انکے درمیان صلح کروا دیں ، باہمی اخوت ومحبت کا جو رشتہ جذبات میں مغلوب ہوگیا ، اس کو زندہ کیا جائے اس کے لئے ارشاد فرمایا (آیت)''انما ال مومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم ''۔

اور ساتھ ہی وہ بنیاد واساس بھی ظاہر کردی گئی جس پر اخوت ومحبت کی عظیم عمارت قائم ہوسکتی ہے وہ اللہ کا خوف ہے ۔حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''یعنی جب حکم شرع کے تابع ہوں تو انصاف سے صلح کرو اور ایک کی طرف داری نہ کرو یہ حکم ہے خانہ جنگی کا جو مسلمان آپس میں لڑپڑیں ''۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر جنگ ہوجائے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ آپس میں سمجھا بجھا کرمابہ النزاع امور کو ختم کراکے اصلاح کرا دیں اور دونوں پارٹیوں میں صلح کرا دیں اور اگر باوجود اصلاح اور صلح کی کوشش کے کسی جماعت کی زیادتی دیکھو ، یعنی وہ قتال کے ترک پر آمادہ نہ ہو اور زیادتی اور تعدی سے باز نہ آئے تو زیادتی کرنے والی جماعت سے تم سب ملکر لڑو اور جنگ کرو یہاں تک کہ وہ تعدی اور زیادتی کرنے والی جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کے آگے جھک جائے اور جنگ بند کردے ، پھر جب وہ پارٹی جھک جائے

اور جنگ سے رجوع کرلے تو حدود وشرعیہ کے مطابق ان کی اصلاح کردو ، عدل کا مطلب ہے شرعی حدود کے موافق صلح کرانا تاکہ صلح پائیدار اور دائمی ہو صرف جنگ بند کرادینے سے پھر اندیشہ رہے گا کہ کسی وقت پھر لڑائی ہوجائے اس لئے تمام معاملات کو انصاف کے ساتھ کرا دو اور انصاف کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے آگے پھر اسی مضمون کی تاکید ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں تو کبھی بھائیوں کی لڑائی ہوجائے تو اپنے دونوں بھائیوں میں اصلاح کرا دیا کرو کیونکہ بہرحال وہ دونوں پارٹیاں تمہارے بھائی ہیں اور صلح کراتے وقت اللہ تعالیٰ سے درتے رہا کرو یعنی جانبداری سے کام نہ لو اور کسی پارٹی کی طرفداری نہ کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ،کہتے ہیں کہ انصار کے بعض حضرات اور عبداللہ بن ابی کے بعض طرفداروں میں ایک جھگڑا ہوگیا جھگڑا معمولی سی بات پر تھا ، نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک سواری پر سوار تھے سواری نے پیشاب کیا عبداللہ بن ابی نے پیشاب پر کچھ ناک اور بھوں چڑھائی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کی ناک بھوں چڑھانے پرکچھ ناراضگی کا اظہار کیا اس پر بات بڑھ گئی اور اس پر آیتیں نازل ہوئیں اس آیت کے متعلق بہت سے مسائل ہیں کیونکہ یہ آیت ہر اس جنگ کو شامل ہے جو مسلمان آپس میں لڑیں یا امام سے بغاوت کر کے مقابلے میں آئیں اور آپس میں لڑیں ان کا حکم فرمایا مرتدین کا نہیں ہے ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ جمل اور جنگ صفین کے موقع پرفرمایا تھا اخواننا بغوا علینا ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے بغاوت کرنے والوں کو اپنا بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ ایسی بغاوت وباہمی جنگ سے مسلمان کا نام باقی رہتا ہے اور ایک مسلمان کو کافر نہیں کہا جاسکتا اسی لیے اس قسم کے لڑنے والوں کے احکام بھی جدا ہیں مثلا جو دو پارٹیاں باہم نبرد آزماہیں وہ دونوں امام المسلمین کی ولایت کے تحت ہیں ، یا دونوں امام المسلمین کی ولایت کے ماتحت نہیں ہیں یا ایک امام کی ولایت کے تحت ہے اور دوسری نہیں ہے ان کے تمام احکام علیحدہ علیحدہ فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکورہ ہیں ، یہاں صرف اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ مسلمانوں کو اخوۃ قائم رکھنے کی غرض سے ایک طریقہ صلح وآشتی اور باہم صفائی کا بتایا گیا ہے اور تیسری پارٹی جو اصلاحی ہو اس کو عدل وانصاف کی تاکید کی گئی اسی پر امت کا نظام اخوت اور نظام عدل قائم ہوسکتا ہے ، اللھم اصلح ذات بیننا واحفظنا من الفتن ما ظھر منھا وما بطن ۔ ایمان کے ساتھ فسق کا عنوان زیب نہیں دیتا :

آیت مبارکہ : بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ‘‘۔

اس امر کی طرف راہنمائی کررہی ہے کہ ایمان لانے کے بعد مسلمان کے لئے فسق کا نام بہت برا ہے اور جو تو بہ نہ کریں گے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ ایسا مذاق اور تمسخر جو کسی کی تحقیر اور دل آزاری کے لئے کیا جائے وہ حرام ہے خواہ مرد کسی مرد کے ساتھ ایسا مذاق کرے یا عورت کسی عورت کے ساتھ ایسامذاق کرے یا عورت مرد کے ساتھ یا مرد عورت کے ساتھ تحقیر آمیز مذاق کرے تو وہ ناجائز ہوگا باقی جس میں دوسرے کی تحقیر اور دل آزاری نہ ہو وہ مزاح اور خوش طبعی ہے اس میں مضائقہ نہیں اور مزاح جائزہے ۔ یہاں جورجال اور نساء فرمایا ہے اس سے محض جنس مرا دہے جیسا کہ ہم نے عرض کردیا ہے یہاں یہ بحث شاید غیر ضروری ہوگی کہ قوم کا اطلاق صرف مردوں پر ہوا کرتا ہے ، عورتیں قوم کے لفظ میں داخل نہیں ہوتیں اور اگر ہوتی ہیں تو تبعا داخل ہوتی ہیں اور یہ جو فرمایا کہ شاید وہ تم سے بہتر ہوں ، یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بہتر ہوجس کی تم تحقیر اور دلآزاری کررہے ہو یعنی اس کا خاتمہ ایمان پر مقدر ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے زیادہ مقبول ہو ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے ۔ البلاء موکل بالقول لوسخرت من کلب لخشیت ان احوال کلبا ۔

یعنی ہر قسم کی ہلاقول پر سونپی گئی ہے۔ اکثر بلائیں زبان کی بدولت نازل ہوتی ہیں میں تو کسی کتے سے بھی مذاق نہیں کرتا اگر کتے سے بھی تحقیر آمیز سلوک کروں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں کتا نہ بنا دیاجاؤں ، بہرحال وہ شخص جو اپنی حقارت اور ذلت پر نظر رکھتا ہے وہ ہمیشہ دوسرے آدمی کو ذلیل کرنے سے احتیاط کرتا ہے ، (آیت)''تلمزوا''۔ کو میم کے زیر سے اور میم کو پیش دونوں طرح کی قرأت ہے خواہ کسی طرح پڑھئے مطلب یہ ہے کسی پر طعن نہ کرو اور عیب نہ لگاؤ بعض حضرات نے فرمایا کہ ایسا کوئی فعل اختیار نہ کرو جس کی وجہ سے تم کو طعن کیا جائے تنابز بالالقاب کا مطلب ہے کسی کو برے لقب سے پکارنا جو کسی کو ناگوار گذارے یعنی ایسے لقب سے نہ پکارو جو اس کی دل آزاری کا موجب ہو جیسے کسی شخص کی کوئی چڑبنالیتے ہیں اور پھر اس چڑ سے اس کو پکارتے ہیں اور وہ ایک مومن کی ناگواری کا سبب ہوتا ہے ہاں اگر کوئی ایسا نام لیا جائے اور ایسا لقب دیا جائے جو ناگوار نہ ہو تو مضائقہ نہیں جیسا کہ بعض لوگ کسی لقب سے خوش ہوتے ہیں آخر میں فرمایا کہ ایمان کے بعد تو مسلمان کے لیے سب سے برا نام فسق کا ہے یعنی کسی مسلمان کو ''یا فاسق '' کہہ کر پکارنا ، جیسے بعض لوگ ان مسلمانوں کو جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے ''یا یہودی '' کہہ کرپکارتے تھے تو سب سے برا لقب تو ایمان لانے کے بعد فسق کا لقب ہے اس میں سب گناہ داخل ہوگئے مثلا کسی کو یا فاسق یا زانی یا سارق ، کہنا سب داخل ہوگئے اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دوسروں کو برا لقب دینے سے پہلے تو دیکھو کہ تم ایک گناہ کرنے سے فاسق ہوجاتے ہو جو ایمان کے بعد بہت ہی برا لقب ہے یعنی دوسرے کو برا لقب دینے سے اپنا لقب فاسق ہوجاتا ہے اس لیے ایسے امور سے اجتناب کرنا چاہئے جس میں اپنا لقب فاسق ہوجائے اور جو شخص ان حرکات ناشائستہ اور ممنوعہ سے باز نہ آئے گا اور تو یہ نہ کریگا تو ایسے ہی لوگ ظالم اور ناانصاف ہونگے ، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہاں کسی پر برا نام ڈالا پہلے تو اپنا نام پڑگیا فاسق آگے تھا مومن اس پر عیب لگایا نہ لگا خلاصہ یہ کہ ایسے افعال سے بچنا چاہئے جو کسی مسلمان کی دل آزاری اور ناگواری کا موجب ہو اور بات بڑھ کر فتنہ فساد اور قتل وقتال کی نوبت آئے اور خود فاسق قرار پائے انسان اگر اپنے آپ کو خود حقیر سمجھے تو دوسروں پر عیب لگانے کی جرأت نہ کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ دعا مشہور ہے اللہم اجعلنی صبورا واجعلنی شکورا واجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا'۔ یعنی اللہ مجھ کو صبر کرنے والا اور شکر کرنے والا بنا دے اور مجھ کو اپنی آنکھوں میں چھوٹا اور دوسروں کی آنکھوں میں بڑا بنا دے یعنی جب میں خود اپنے پر نظر کروں تو اپنے کو چھوٹا سمجھوں اور دوسرے جب مجھ کو دیکھیں تو بڑا سمجھیں ۔

لیکچر نمبر ٦

معاشرتی آداب

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُواْ خَيۡرٗا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٞ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيۡرٗا مِّنۡهُنَّۖ وَلَا تَلۡمِزُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُواْ بِٱلۡأَلۡقَٰبِۖ بِئۡسَ ٱلِٱسۡمُ ٱلۡفُسُوقُ بَعۡدَ ٱلۡإِيمَٰنِۚ وَمَن لَّمۡ يَتُبۡ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ

ترجمہ:تنبیہ وتہدید بربدگمانی وغیبت وممانعت از تجسس احوال : قال اللہ تعالیٰ : (آیت)''یایھا الذین امنوا اجتنبوا.....الی .....ان اللہ تواب رحیم ''۔

(ربط) گذشتہ آیات میں مسلمانوں کی گروہ بندی اور باہمی منازعت ومخاصمت سے منع کیا گیا تھا اور اس پر وعید وتنبیہ کی گئی تھی کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو حقیر

سمجھے یا اس کا مذاق اڑائے کیونکہ ایسی ہی باتیں مسلمانوں میں نفاق وشقاق پیدا کرنے والی ہیں تو اب ان آیات میں مزید ایسے اسباب بیان فرمائے جارہے ہیں جن کی وجہ سے باہمی منافرت اور عداوت کی فضا پیدا ہوئی ہے ، آپس میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور نوبت جنگ وجدل اور قتل وخونریزی تک پہنچ جاتی ہے جن میں سب سے بڑی اور بنیادی چیز قلو ب سے اخلاص کانکل جانا اور باہم بدگمانی میں پڑ جانا ہے بدگوئی ، غیبت الزام تراشی غرض یہ سب باتیں مہلک ہیں ان سے بچنے کی ضرورت ہے تو فرمایا ۔ اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کیا کرو اور بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے عیب کی ٹٹول نہ کیا کرو اور انہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہا کرو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم کو اس سے گھن آئے اور تم اس سے منتفر ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے ۔ چونکہ ظن کی بہت سی اقسام ہیں بعض جائز ، بعض واجب ، بعض مباح ، بعض حرام ، اس لئے فرمایا ، ظن اور گمان کی کثرت سے احتراز کرو یا یہ مطلب ہے ''اجتنبوا اجتنابا کثیرا ''۔ کہ بچو بچنا بہت ۔ اہل خیر اور صلاح کے ساتھ بدگمانی کرنا بہت بری بات ہے اور اہل فسق کے معاملے میں بدگمانی جائز ہے اور جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ بعضے افراد ظن اور گمان کے گناہ ہیں تو ان کی تحقیق کرنے کے بعد جہاں بدگمانی جائز ہویا ضروری ہو وہاں بدگمانی کرے تو مضائقہ نہیں، یہ نہیں کہ ہر موقع پر اور ہر معاملے میں بدگمانی کرو اور برے ظن سے کام لو جو شخص بہت بدگمانیوں سے احتراز کرے گا تو بعض سے بچ جائے گا ''تجسس '' کسی کے عیب کی تلاش کرنا اور مسلمانوں کے عیب ڈھونڈتے پھرنے ۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے خذو ا ماظھروا دعوا ماسترہ اللہ یعنی جو کچھ ظاہر ہو اوہ لے لو اور جو اللہ نے چھپا لیا اسے چھوڑ دوبہر حال عیب جوئی سے منع فرمایا کسی کی چھپ کرباتیں سننا یا سونے والے کی حالت بنا کر جاگتے رہنا اور دوسروں کی باتیں سنتارہنا تجسس ہے اس میں بھی اگر کہیں اپنے آپ کو ضرر سے بچانے یا کسی مسلمان کو نقصان سے بچانے کی غرض سے دشمن کی تدابیر کا کھوج لگائے تو جائز ہوگا پھر فرمایا ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو یعنی پیٹھ کے پیچھے ایسی برائی کرنا جو سچی ہو کہ اگر اس کے سامنے کرو تو اسکو ناگوار گزرے یہ غیبت ہے اور اگر وہ بات سچی نہ ہو تو بہتان ہے غیبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے گوشت کھانا فرمایا جس طرح کسی انسان کا گوشت نوچ کرکھانے سے تکلیف ہوتی ہے ، اسی طرح اس کی آبرو ریزی بھی اسکی تکلیف کا موجب ہے اگرچہ اس آبروریزی کا اسکو علم نہ ہو تو عدم حس میں مشابہت مردے کے ساتھ دی لیکن فی نفسہ تو تکلیف وہ چیز ہے گویا مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھارہے ہو پس جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اس طرح اسکی پیٹھ پیچھے اس کی آبروریزی سے بھی بچو اور اس کو برا سمجھو ، پس پشت ہر صورت میں بدگوئی کی ممانعت فرما دگی البتہ مظلوم ظالم کی بدگوئی کرسکتا ہے بشرطیکہ دین کا کچھ فائدہ ہو۔ ''تحقیر ''۔ جس طرح قول سے ہوتی ہے فعل سے بھی ہوتی ہے مثلا کسی لنگڑے کی نقل اتارنا یا کسی پستہ قد کو اشارہ کرکے اور مٹھی بنا کر دکھانا وغیر ہ وغیرہ ۔ اور یہ جو فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یعنی غیبت کرنے سے بچو اور توبہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرماتا ہے اور وہ بڑی مہربانی کرنے والا ہے ، غیبت حق العباد بھی ہے اور حق اللہ بھی یعنی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معاف کراؤ اور اگر وہ مرگیا ہو تو اس کے لئے استغفار کرے غیبت صرف مسلمان ہی کی حرام نہیں بلکہ کافر جو ذمی ہو اسکی بھی غیبت حرام ہے ۔ ایک دفعہ ایک صحابی

رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اگر وہ بات جو میں اپنے بھائی کے پس پشت کہہ رہا ہوں وہ اس میں موجود ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہاں ! یہ بھی غیبت ہے اور اگر تم ایسی بات اسکے متعلق کہو گے تو اس میں موجود نہیں تو تم اس پر بہتان لگانے والے ہوگے ۔

مدار فضیلت وکرامت ایمان وتقوی نہ کہ نسبت خاندان وقبائل :

قال اللہ تعالیٰ (آیت)''یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثنی .....الی .....واللہ بصیر بما تعملون ''۔

(ربط) اس سے قبل آیات میں ایسی خصلتوں اور برائیوں سے اجتناب کی تعلیم تھی جو انسانی زندگی کو ذلت وپستی میں ڈالنے والی ہیں اور انسانی معاشرے میں اس قسم کے عیب نہایت ہی بدترین عیب اور تباہ کردینے والی بیماریاں ہیں تو اب ان آیات میں اس کے بالمقابل وہ اوصاف بیان کیئے جارہے ہیں جو انسانی کرامت اور شرف کا باعث ہیں اور اسکو عزت وسربلندی کے مقام پر پہونچا دینے کا باعث ہیں ۔ اے لوگو ! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخین اور مختلف قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرسکو اور پہچان سکو ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو تم سب میں بڑا شریف اور رعزت والا ہے جو تم سب میں بڑا پرہیزگار اور زیادہ تقوی والا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے اور سب کے حال سے باخبر ہے ۔ ۱حاشیہ (اس آیت مبارکہ میں حق تعالیٰ جل شانہ نے فضیلت اور افضلیت کا ایک معیار اور قاعدہ کلیہ ارشاد فرمادیا ہے (آیت)''ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ''۔ اس معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے جب آیت مبارکہ یعنی وسیجنبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی ''۔ پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کا شان نزول روایات سے یہ پاتے ہیں کہ یہ ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے تو واضح ہوجاتا ہے کہ بہ نص قرآنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اتقی الامۃ المسلمہ ہیں اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سب سے زیادہ متقی ہیں تو جس شخص کا قرآن کریم کی صریح آیت سے امت اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے درمیان سب سے زیادہ متقی ہونا ثابت ہوگیا اس پر طعن وتشنیع یا توہین وتحقیر کرے وہ انسان کیسے مسلمان رہ سکتا ہے ۔ ۱۲) خلاصہ یہ ہے کہ سب لوگ ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم علیہ السلام وحوا علیہ السلام سے پیدا ہوئے ہیں جس قدر اولاد بڑھتی گئی ان کے شعب قبیلہ ، عمارہ ، بطن ، فخذ اور فصیلہ بنتے گئے اس سے باہمی تعارف اور پہچان میں آسانی ہوتی ہے کیونکہ ایک ایک نام کے بہت سے آدمی ہوتے ہیں اسکے علاوہ بھی اور بہت سے فوائد ہیں مثلا قرب وبعد کی مناسبت سے انکے حقوق شرعیہ اداکئے جاتے ہیں حاجب اور محجوب کا پتا چلتا ہے ایک خاندان کا آدمی دوسرے خاندان کے آدمی سے متمیز رہتا ہے ''شعوب '' جمع شعب کی ہے ، شعب جمع کرتا ہے قبائل کو اور قبیلہ جمع کرتا ہے عمائر کو اور عمارہ جمع کرتا ہے بطون کو اور بطن جمع کرتا ہے افخاذ کو اور فخذ جمع کرتا ہے فصائل کو یہ ہم نے عربی قبائل کی اصطلاح بیان کی دوسری قوموں میں کوئی اور دستور ہوگا ، بہرحال یہ اولاد آدم کی تقسیم ہوتی چلی گئی مثلا فرض کرو خزیمہ شعب ہے اور کنانہ قبیلہ اور قریش عمارہ اور قصی بطن اور ہاشم فخذاور عباس فصیلہ ، یہ تمام تقسمیں صرف باہمی شناخت کیلئے ہیں اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں، شرافت اور بزرگی اور عزت اللہ تعالیٰ کی نظر میں اسی کی ہے جو متقی ہو ، جو تقوی میں اونچا اور اعلیٰ اور اتقی ہے وہی اللہ کے نزدیک بڑا شریف اور مکرم ہے اس اعلان نے بنی نوع انسان میں مساوات اور یگانگت پیدا کردی اور زمانہ جاہلیت کے خاندانی تفاخر اور بڑائی کو پارہ

پارہ کر دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جو خطبہ فرمایا اس میں اس بات کا اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور تکبر کو دور کردیا ، آدمیوں کودو (۲) ہی قسمیں ہیں ، مومن تقی جو پرہیزگار ہو وہ اللہ کے نزدیک عزت دار اور کریم ہے ، اور جو شخص فاجر شقی ہے وہ اللہ کی نظر میں ذلیل وخوار ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (آیت)''ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ''۔ ۱حاشیہ (حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی بڑائیاں ذات کی اور قوم کی عبث ہیں صفت نیک چاہئے نری (صرف ذات کس کام کی) روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے ایک خطبہ کے دروان فرمایا اے لوگو! اب اللہ نے جاہلیت کی عصبیت ونخوت کو ختم کردیا ہے اب تو بس انسانوں کی دوہی قسمیں ہیں یا مومن متقی یا شقی فاجر۔

لیکچر نمبر ۷
آیت نمبر ۱۴تا۱۸
قَالَتِ ٱلۡأَعۡرَابُ ءَامَنَّا ۖ قُل لَّمۡ تُؤۡمِنُواْ وَلَٰكِن قُولُوٓاْ أَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا يَدۡخُلِ ٱلۡإِيمَٰنُ فِي قُلُوبِكُمۡ ۖ وَإِن تُطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ لَا يَلِتۡكُم مِّنۡ أَعۡمَٰلِكُمۡ شَيۡـًٔا ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٌ
ترجمہ: ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر، پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے ف۳تفسیر:ف۳ یعنی سچے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ و رسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو ۔ اور ان کی راہ میں ہر طرح جان و مال سے حاضر رہے۔
إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ثُمَّ لَمۡ يَرۡتَابُواْ وَجَٰهَدُواْ بِأَمۡوَٰلِهِمۡ وَأَنفُسِهِمۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلصَّٰدِقُونَترجمہ:تو کہہ کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنی دینداری اور اللہ کو تو خبر ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے ف٤تفسیر: ف ٤ یعنی اگر واقعی سچا دین اور پورا یقین تم کو حاصل ہے تو کہے سے کیا ہوگا جس سے معاملہ ہے وہ آپ خبردار ہے۔
قُلۡ أَتُعَلِّمُونَ ٱللَّهَ بِدِينِكُمۡ وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِ ۚ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٞترجمہ: تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے ف ٥ تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنے اسلام لانے کا بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو راہ دی ایمان کی اگر سچ کہو ف ٦ تفسیر:ف٥ بعض گنوار آکر کہتے تھے کہ دیکھئے ہم تو بدون لڑے بھڑے مسلمان ہوگئے۔ گویا احسان جتلاتے تھے۔ اس کا جواب آگے دیتے ہیں ۔ ف ٦ یعنی اگر واقعی تم دعوائے اسلام و ایمان میں سچے ہو تو یہ تمہارا احسان نہیں ۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایمان کی طرف آنے کا راستہ دیا اور دولت اسلام سے سرفراز کیا اگر سچی بات کہو تو واقعہ اس طرح ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "نیکی اپنے ہاتھ سے ہو، اپنی تعریف نہیں ۔ رب کی تعریف ہے جس نے وہ نیکی کروائی۔" گویا خاتمہ سورت پر متنبہ کر دیا کہ اگر تم کو قرآنی آیات اور اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کی توفیق ہو تو احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ کے احسان و انعام کا شکر ادا کرو جس نے ایسی توفیق ارزانی فرمائی۔
يَمُنُّونَ عَلَيۡكَ أَنۡ أَسۡلَمُواْ ۖ قُل لَّا تَمُنُّواْ عَلَيَّ إِسۡلَٰمَكُم ۖ بَلِ ٱللَّهُ يَمُنُّ عَلَيۡكُمۡ أَنۡ هَدَىٰكُمۡ لِلۡإِيمَٰنِ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَترجمہ:اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ

دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو ف۷تفسیر:ف۳ یعنی دلوں کے بھید اور ظاہر کا عمل سب کو خدا جانتا ہے۔ اس کے سامنے باتیں نہ بناؤ

لیکچر نمبر ۸
ایمانیات قرآن کی روشنی میں
سورہ بقرہ آخری رکوع
لِّلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا۟ مَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ ٱللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ترجمہ:خاتمہ سورۃ۔مشتمل برتذکیر جلال ، خدواندی وعظمیت وتحذیر از محاسبہ آخرت وتلقین ایمان وسمع وطاعت وتعلیم دعا فلاح دارین، درآخرت عفو ومغفرت ودردنیا فتح ونصرت۔قال تعالی، للہ مافی السماواست ومافی الارض۔۔ الی۔۔۔ فانصرنا علی القوم الکافرین۔ربط)۔ یہ رکوع سورہ بقرہ کا آخری رکوع ہے جس پرسورہ بقرہ ختم ہورہی ہے یہ عجیب خاتمہ ہے جس کواول سورت سے بھی خاص ربط ہے اور آخرسورت سے بھی اور درمیان سورت سے بھی اور مجموعہ سورت سے بھی ۔ ان آیات سے پہلے جو آیتیں گذریں ان میں کتمان شہادت کودل کا گناہ بتلایا تھا اب ان آیات میں اس امر کو بیان فرماتے ہیں کہ قلب کے کن افعال پرمواخذہ ہے اور کن پر نہیں نیز گزشتہ آیات میں یہ حکم دیا تھا کہ امانت میں خیانت نہ کرو اور اللہ کا خوب دل میں رکھو اور اس کے عذاب اور مواخذہ سے ڈرتے رہو اب ان آیات میں اللہ تعالی کی مالکیت اور اس کی قدرت اور اس کے محاسبہ اور مواخذہ کو بیان فرماتے ہیں اور ابتداء سورت سے یہ مناسبت ہے کہ ابتداء سورت میں متقین کی صفات کاذکرتھا کہ وہ غیب پرایمان رکھتے ہیں اور ماانزل الیک اور ماانزل من قلک سب کی بلاتفریق کے تصدیق کرتے ہیں اور آخرت کا خاص طور پر یقین رکھتے ہیں اور عبادات بدنیہ اور مالیہ کودل وجان سے بجالاتے ہیں اب اس سورت کے آخری رکوع میں پھر انہی متقین کی مدح ہے اور ان کی سمع وطاعت اور بارگاہ خداوندی میں ان کی والہانہ دعا اور مناجات کاتذکرہ ہے نیز ابتداء سورت میں ایمان بالغیب کاذکر تھا کہ یہ پرہیزگاروں کا گروہ محض خدا اور رسول کے اعتماد پر بے دیکھی چیزوں پر ایمان رکھتا ہے مگر اس غیب کی تفسیر کی طرف اشارہ فرمایا کہ غیب سے اللہ تعالی اور اسکے فرشتے اور اس کے نازل فرمودہ صحیفے اور کتابیں اور تمام پیغمبر مراد ہیں گویا کہ کل امن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ۔ یومنون بالغیب کی تفسیر ہے یعنی یومنون بالغیب میں لفظ غیب سے ان چیزوں پر ایمان لانا مراد ہے جواس آیت میں مذکور ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں اس کی توضیح گذرچکی ہے دوبارہ وہاں دیکھ لیاجائے اور قالوا سمعنا واطعنا یہ لفظ یقیمون الصلاۃ وممارزقنھم کی تفسیر ہے اور غفرانک ربنا والیک المصیر اور ربنا لاتواخذنا ان نسینا۔ یعنی معافی اور مغفرت اور رحمت کی درخواست یہ سب وبالاخرۃ ھم یوقنون کی تفسیر ہے اور ایمان اور تقوی کے ساتھ قوم کافرین پر فتح اور نصرت یہ ہدایت بھی ہے اور دینی اور دنیوی فلاح اور کامیابی بھی ہے گویا کہ یہ مضمون اولئک علی ھدی من ربھم والئک ھم المفلحون۔ آیت۔ کی تفسیر ہے ار یہی مضمون درمیان سورت بیان کیا گیا تھا یعنی لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب۔۔۔ الی۔۔ والنبین۔ آیت۔ میں یہی مضمون تھا جواس آخری رکوع میں مذکور ہے غرض یہ کہ سورت کی ابتداء بھی مسئلہ ایمان کی تحقیق اور متقین کی مدح سے ہوئی اور اس کی انتہابھی اسی مضمون پرہوئی اور وسط میں بھی ایک عجیب عنوان سے اسی مسئلہ کو بیان فرمایا اور یہ بلاغت کی انتہاء ہے کہ ابتداء سے لے کرانتہاء تک کلام یکساں ہو اول اور آخر اور اوسط سب ایک

دوسرے سے مرتبط اور متناسب ہوں۔ اور اسی سورت کادل آیت الکرسی ہے جس میں اللہ جل شانہ کی صفت حیات اور قیومیت کابیان تھا اور مومن کی باطنی اور روحانی حیات اور قیومیت کادارومدار ایمان اور اطاعت پر ہے جس کا اس رکوع میں تفصیل کے ساتھ بیان ہے۔ اور مجموعہ سورت کے ساتھ ی ربط ہے کہ یہ سورت معاس اور معاد کے متعلق ہمیشہ ہمہ قسم کے احکام پر مشتمل ہے اس لیے مناسب ہوا کہ خاتمہ احکام پر حق جل شانہ کی مالیت اور اس کے احاطہ علم وقدرت اور اس کے محاسبہ اور مواخذہ کو ذکر کیا جائے تاکہ احکام خداوندی کی تعمیل میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں للہ مافی السماوات ۔۔ الی آخرالسورہ۔ اللہ ہی کاہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جس میں تمہارا دل اور اس کے خطرات بھی داخل ہیں وہی ان سب کائنتا کامالک ہے کیونکہ اسی نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خالق کواپنی مخلوق کا علم نہ ہو کماقال تعالی، الایعلم من خلق وھواللطیف الخبیر۔ اور جب تم یہ سمجھ گئے کہ جس طرح اللہ تعالی کی قدرت اور خالقیت تمام کائنات کو محیط ہے اسی طرح اس کا علم قدیم بھی تمام کائنات کوہراعتبار سے محیط ہے تواب یہ سمجھو کہ جواخلاق اور اعمال تمہارے دل اور ضمیر میں مضمر اور پوشیدہ ہیں ان کوزبان یااعضاء اور جوارح سے ظاہر کرویا دل ہی میں چھپائے رکھو، ان سب پراللہ تعالی قیامت کے دن تم سے حساب لے گا اور پھر محاسبہ کے بعد جس کوچاہے گا بخشے گا اور جس کوچاہے گا عذاب دے گا جس ظاہر اور پوشیدہ کوچاہے گا معاف کرے گا اور جس پر چاہے گا سزا دے گا اور اللہ تعالی ہر چیز پرقادر ہیں اگر چاہیں تو صغیرہ پر بھی عذاب دے سکتے ہیں اور چاہیں تو کبیرہ کو بھی بلاتوبہ ہی معاف فرمادیں تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ اعمال قلبیہ اور قالبیہ اور افعال نفسانیہ اور جسمانیہ خواہ صغائر ہوں یاکبائر ہوں سب پر محاسبہ حق ہے اور جزاء اور سزا سب اللہ کے اختیار میں ہے کوئی شی اس پر واجب نہیں جب یہ آیت یعنی وان تبدو ا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام الفاظ کے ظاہری عموم کودیکھ کر گھبرائے اس لیے کہ ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دل کے خیالات پر بھی حساب ہوگا اس لیے صحابہ نے حضور پرنور کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ یہ حکم سخت مشکل ہے اختیاری امور سے توبچ سکتے ہیں مگر خطرات قلبیہ اور غیر اختیاریہ وسوسوں سے بچنا مشکل ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول کوسن کریہ فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کی طرح انکار مت کرو اور دل وجان سے اس کے حکم کو قبول کرو یعنی اہل کتاب کی طرح سمعنا وعصینا نہ کہو بلکہ سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر۔ پڑھو اور اللہ تعالی سے مدد مانگو حضور پرنور نے انتظار وحی میں از خود آیت کی تفسیر نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کوادب کی تعلیم اور تلقین فرمائی صحابہ نے فورا ہی سمعنا اور اطعنا کہا اور کلمات ایمان دل وجان سے کہے اللہ تعالی کو صحابہ کی یہ بات پسند آئی اس پر آئندہ آیتیں یعنی ، امن الرسول الخ۔ نازل ہوئیں جس میں اول کی دو آیتوں میں صحابہ کی مدح اتری اور تفصیل کے ساتھ ان کے ایمان اور ان کی اطاعت کو بیان فرمایا تاکہ ان کے دلوں کواطمینان ہوجائے اور عشاق اور محبین کے دلوں میں جوخلجان اور اضطراب تھا وہ دور ہوجائے اور پھر ان کی اس مدح کے بعد ان کے اس خلجان اور اشکال کا جواب جوان کو پیش آیا تھا لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا ۔ الخ۔ سے ذکر فرمایا کہ جو چیز بندہ کی طاقت اور اختیار سے باہر ہے بندہ اس کامکلف نہیں لہذا دل میں جوگناہ کا خیال اور خطرہ آجائے توس پرکوئی مواخذہ نہیں جب تک خود اپنے اختیار اور ارادہ سے اس پرعمل نہ کرے یازبان سے اس کاتکلم اور تلفظ نہ کرے اور علی ہذا بھول چوک پر بھی کوئی مواخذہ نہیں البتہ جاباتیں بندہ کی قدرت اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہوگا۔مدح اہل ایمان۔ایمان لائے پیغمبر تمام اس چیز پر جوان کے رب کی

طرف سے ا ن کی جانب اتاری گئی اور آپ کے ارشاد کے مطابق اس زمانہ کے تمام مسلمان بھی اس پرایمان لائے سب کے سب یعنی رسول اور تمام مومنین ایمان لائے اللہ پر اور اس کے تمام فرشتوں پر اور اس کی تمام کتابوں پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر جن کے واسطہ سے ہم تک اللہ کے احکام پہنچے اللہ کی کتابیں اور اس کے پیغمبروں کی شریعتیں اگرچہ فروعی اور وقتی مسائل میں کچھ مختلف ہیں لیکن ہم ایمان لانے میں پیغمبروں کے درمیان تفریق نہیں کرتے بعض پرایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں جیسا کہ یہود کاشیوہ رہا کہ بعض کونہ مانا اور جواحکام خداتعالی کی طرف سے آئے ہیں ان کو دل وجان سے قبول کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیرے احکام کوسنادل وجان سے ان کو قبول کیا اور اے پروردگار چونکہ ہم سراپا تقصیر ہیں سہو ونسیان ہمارے خمیر میں پڑا ہے اس لیے اے پروردگار تیری مغفرب اور بخشش کے طلب گار ہیں ہمارا کوئی عمل بھی کوتاہی سے خالی نہیں اور کیسے تجھ سے مغفرت کی درخواست نہ کریں کیونکہ مرنے کے بعد آپ ہی کی طرف لوٹنا اور آپ ہی کے سامنے پیش ہونا ہے۔

لیکچر نمبر ۹
صفات اہل ایمان
بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ
ترجمہ:شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
تفسیر:سورہ مومنون مکہ میں اتری اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوعفضائل و خصوصیات سورہ مومنون: مسند احمد میں حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب کی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پاس والوں کے کان میں ایسی آواز ہوتی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے۔ ایک روز آپ کے قریب ایسی ہی آواز سنی گئی تو ہم ٹھہر گئے کہ تازہ آئی ہوئی وحی سن لیں ۔ جب وحی کی خاص کیفیت سے فراغت ہوئی تو آنحضرت ﷺ قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور یہ دعا کرنے لگے اللھم زدنا ولا تنقصنا و اکرمنا ولاتھنا واعطنا ولا تحرمنا واثرنا ولا توثر علینا وارض عنا و ارضنا (یعنی یا اللہ ہمیں زیادہ دے کم نہ کر اور ہماری عزت بڑھا ذلیل نہ کر اور ہم پر بخشش فرما، محروم نہ کر اور ہمیں دوسروں پر ترجیح دے ہم پر دوسروں کو ترجیح نہ دے اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کر دے) اس کے بعد فرمایا کہ مجھ پر اس وقت دس آیتیں ایسی نازل ہوئی ہیں کہ جو شخص ان پر پورا پورا عمل کرے تو وہ (سیدھا) جنت میں جائے گا۔ پھر یہ دس آیتیں جو اوپر لکھی گئی ہیں پڑھ کر سنائی۔ (ابن کثیر)اور نسائی نے کتاب التفسیر میں یزید بن بابنوس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ ؓسے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق کیسا اور کیا تھا، انہوں نے فرمایا آپ کا خلق یعنی طبعی عادت وہ تھی جو قرآن میں ہے اس کے بعد یہ دس آیتیں تلاوت کر کے فرمایا کہ بس یہی خلق و عادت تھی رسول اللہ ﷺ کی۔ (ابن کثیر)

قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَترجمہ:کام نکال لے گئے ایمان والےتفسیر:خلاصہ تفسیربالتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو (تصحیح عقائد کے ساتھ صفات ذیل کے ساتھ بھی موصوف ہیں یعنی وہ) اپنی نماز میں (خواہ فرض ہو یا غیر فرض) خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو (یعنی فضول) باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکنار رہنے والے ہیں اور جو (اعمال و اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں ۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت

رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ۔ ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد کا (جو کسی عقد کے ضمن میں کیا ہو یا ویسے ہی ابتداءً کیا ہو) خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی (فرض) نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس (بریں) کے وارث ہوں گے (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔معارف و مسائلفلاح کیا چیز ہے اور کہاں اور کیسے ملتی ہے:قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، لفظ فلاح قرآن و سنت میں بکثرت استعمال ہوا ہے اذان و اقامت میں پانچ وقت ہر مسلمان کو فلاح کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ فلاح کے معنے یہ ہیں کہ ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دور ہو (قاموس) یہ لفظ جتنا مختصر ہے اتنا ہی جامع ایسا ہے کہ کوئی انسان اس سے زیادہ کسی چیز کی خواہش کر ہی نہیں سکتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مکمل فلاح کہ ایک مراد بھی ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو اور ایک بھی تکلیف ایسی نہ رہے جو دور نہ ہو، یہ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس میں نہیں چاہے دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہفت اقلیم ہو یا سب سے بڑا رسول اور پیغمبر ہو ۔ اس دنیا میں کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز خلاف طبع پیش نہ آئے اور جو خواہش جس وقت دل میں پیدا ہو بلا تاخیر پوری ہو جائے۔ اگر اور بھی کچھ نہیں تو ہر نعمت کے لئے زوال اور فنا کا کھٹکا اور ہر تکلیف کے واقع ہو جانے کا خطرہ، اس سے کون خالی ہو سکتا ہے؟اس سے معلوم ہوا کہ فلاح کامل تو ایسی چیز ہے جو اس ملک دنیا میں دستیاب ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ دنیا تو دار التکلیف و المحنت بھی ہے اور اس کی کسی چیز کو بقاء و قرار بھی نہیں ۔ یہ متاع گرانمایہ ایک دوسرے عالم میں ملتی ہے جس کا نام جنت ہے۔ وہ ہی ایسا ملک ہے جس میں انسان کی ہر مراد ہر وقت بلا انتظار حاصل ہوگی وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ (یعنی ان کو ملے گی ہر وہ چیز جو وہ چاہیں گے) اور وہاں کسی ادنیٰ رنج و تکلیف کا گزر نہ ہوگا اور ہر شخص یہ کہتا ہوا وہاں داخل ہوگا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ، الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا بلاشبہ ہمارا رب معاف کرنے والا قدر دان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے ایک مقام میں پہنچا دیا جس کی ہر چیز قائم و دائم ہے اس آیت میں یہ بھی اشارہ موجود ہے کہ دار دنیا میں کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کو کبھی کوئی رنج و غم نہ پہنچا ہو ۔ اس لئے جنت میں قدم رکھتے ہوئے ہر شخص یہ کہے گا کہ اب ہمارا غم دور ہوا۔ قرآن کریم نے سورہ اعلیٰ میں جہاں فلاح حاصل کرنے کا یہ نسخہ بتلایا کہ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى اس کے ساتھ ہی یہ بھی اشارہ فرمایا کہ کامل فلاح کی جگہ اصل میں آخرت ہے صرف دنیا سے دل لگانا طالب فلاح کا کام نہیں ۔ فرمایا بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا، وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى، یعنی تم لوگ دنیا ہی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر بھی ہے کہ اسی میں ہر مراد حاصل اور ہر تکلیف دور ہو سکتی ہے اور وہ باقی رہنے والی بھی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ کامل و مکمل فلاح تو صرف جنت ہی میں مل سکتی ہے دنیا اس کی جگہ ہی نہیں ۔ البتہ اکثری حالات کے اعتبار سے فلاح یعنی بامراد ہونا اور تکلیفوں سے نجات پانا یہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں ۔ آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا وعدہ ان مومنین سے کیا ہے جن میں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات کے اندر آیا ہے۔ یہ فلاح عام اور شامل ہے جس میں آخرت کی کامل مکمل فلاح بھی داخل ہے اور دنیا میں جس قدر فلاح حاصل ہونا ممکن ہے وہ بھی۔یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صفات مذکور کے حامل مومنین کو آخرت کی کامل فلاح ملنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن دنیا میں فلاح تو بظاہر کفار فجار کا

حصہ بنی ہوئی ہے اور ہر زمانے کے انبیاء اور ان کے بعد صلحا امت عموماً تکلیفوں میں مبتلا رہے ہیں ۔ مگر جواب اس کا ظاہر ہے کہ دنیا میں مکمل فلاح کا تو وعدہ نہیں کہ کوئی تکلیف پیش ہی نہ آوے بلکہ کچھ نہ کچھ تکلیف تو یہاں پر صالح و متقی کو بھی اور ہر کافر فاجر کو بھی پیش آنا ناگزیر ہے اور یہی حال حصول مراد کا ہے کہ کچھ نہ کچھ یہ مقصد بھی ہر انسان کو خواہ وہ صالح و متقی ہو خواہ کافر و بدکار ہو حاصل ہوتا ہی ہے۔ پھر ان دونوں میں فلاح پانے والا کس کو کہا جائے تو اس کا اعتبار عواقب اور انجام پر ہے۔دنیا کا تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ جو اہل صلاح ان سات اوصاف کے حامل اور ان سے متصف اور ان پر قائم ہیں گو دنیا میں وقتی تکلیف ان کو بھی پیش آ جائے مگر انجام کار ان کی تکلیف جلد دور ہوتی ہے اور مراد حاصل ہو جاتی ہے ساری دنیا ان کی عزت کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور دنیا میں نیک نام انہی کا باقی رہتا ہے۔ جتنا دنیا کے حالات کا غور و انصاف سے مطالعہ کیا جائے گا ہر دور ہر زمانے ہر خطہ میں اس کی شہادتیں ملتی چلی جائیں گی۔مومن کامل کے وہ سات اوصاف جن پر آیات مذکورہ میں فلاح دنیا و آخرت کا وعدہ ہے: سب سے پہلا وصف تو مومن ہونا ہے مگر وہ ایک بنیادی چیز اور اصل الاصول ہے اس کو الگ کر کے سات اوصاف جو یہاں بیان کئے گئے ہیں یہ ہیں ۔اول نماز میں خشوع، خشوع کے لغوی معنے سکون کے ہیں اصطلاح شرع میں خشوع یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو ۔ یعنی غیر اللہ کے خیال کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور اعضاء بدن میں بھی سکون ہو کہ عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے (بیان القرآن) خصوصاً وہ حرکتیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے نماز میں منع فرمایا ہے اور فقہاء نے ان کو مکروہات نماز کے عنوان سے جمع کر دیا ہے۔ تفسیر مظہری میں خشوع کی یہی تعریف حضرت عمرو بن دینار سے نقل کی ہے اور دوسرے بزرگوں سے جو خشوع کی تعریف میں مختلف چیزیں نقل کی گئی ہیں وہ دراصل اسی سکون قلب و جوارح کی تفصیلات ہیں ۔ مثلاً حضرت مجاہد نے فرمایا کہ نظر اور آواز کو پست رکھنے کا نام خشوع ہے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ دائیں بائیں التفات یعنی گوشتہ چشم سے دیکھنے سے بچنا خشوع ہے۔ حضرت عطاء نے فرمایا کہ بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرنا خشوع ہے۔ حدیث میں حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب دوسری طرف التفات کرتا ہے یعنی گوشہ چشم سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے رخ پھیر لیتے ہیں ۔ (رواہ احمد والنسائی و ابو داؤد وغیرہم۔ مظہری) اور نبی کریم ﷺ نے حضرت انس کو حکم دیا کہ اپنی نگاہ اس جگہ رکھو جس جگہ سجدہ کرتے ہو اور یہ کہ نماز میں دائیں بائیں التفات نہ کرو (رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ و مظہری)اور حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے تو فرمایا لو خشع قلب ھذا الخشعت جوارحہ (رواہ الحاکم و الترمذی بسند ضعیف) یعنی اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ (مظہری)نماز میں خشوع کی ضرورت کا درجہ: امام غزالی و قرطبی اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نماز میں خشوع فرض ہے اگر پوری نماز خشوع کے بغیر گزر جائے تو نماز ادا ہی نہ ہوگی۔ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اس میں شبہ نہیں کہ خشوع روح نماز ہے اس کے بغیر نماز بے جان ہے مگر اس کو رکن نماز کی حیثیت سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خشوع نہ ہوا تو نماز ہی نہ ہوئی اور اس کا اعادہ فرض قرار دیا جائے۔حضرت سیدی حکیم الامۃ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ خشوع صحت نماز کیلئے موقوف علیہ تو نہیں اور اس درجہ میں وہ فرض نہیں مگر قبول نماز کا موقوف علیہ اور اس مرتبہ میں فرض ہے حدیث میں طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن حضرت

ابوالدرداء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اس امت سے اٹھ جائے گی یعنی سلب ہو جائے گی وہ خشوع ہے یہاں تک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئے گا۔ کذا فی مجمع الزوائد (بیان)مومن کامل کا دوسرا وصف، لغو سے پرہیز کرنا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ لغو کے معنے فضول کلام یا کام جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو ۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے جس میں فائدہ دینی نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر و نقصان ہے اس سے پرہیز واجب ہے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر، اس کا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من حسن اسلام المرا ترکہ مالا یعنیہ یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہو سکتا ہے جبکہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ اسی لئے آیت میں اس کو مومن کامل کی خاص صفت قرار دیا ہے۔تیسرا وصف، زکوٰۃ ہے لفظ زکوٰۃ کے معنے لغت میں پاک کرنے کے ہیں ۔ اصطلاح میں شرح مال کا ایک خاص حصہ کچھ شرائط کے ساتھ صدقہ کرنے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے اور قرآن کریم میں عام طور پر یہ لفظ اسی اصطلاحی معنے میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں یہ معنے بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اس پر جو شبہ کیا جاتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے مکہ میں زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی ہجرت مدینہ کے بعد فرض ہوئی، اس کا جواب ابن کثیر وغیرہ مفسرین کی طرف سے یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت مکہ ہی میں ہو چکی تھی سورہ مزمل جو بالاتفاق مکی ہے اس میں بھی اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کے ساتھ اٰتُوا الزَّكٰوةَ کا ذکر موجود ہے مگر سرکاری طور پر اس کے وصول کرنے کا عام انتظام اور نصابات وغیرہ کی تفصیلات مدینہ طیبہ جانے کے بعد جاری ہوئیں ۔ جن لوگوں نے زکوٰۃ کو مدنی احکام میں شمار کیا ہے ان کا یہی منشاء ہے۔ اور جن حضرات نے فرضیت زکوٰۃ کو مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حکم قرار دیا ہے انہوں نے اس جگہ زکوٰۃ کا مضمون عام لغوی معنی میں اپنے نفس کو پاک کرنا قرار دیا ہے خلاصہ تفسیر میں بھی یہی لیا گیا ہے اس معنے کا قرینہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ عام طور پر قرآن کریم میں جہاں زکوٰۃ فرض کا ذکر آیا ہے تو اس کو (آیت) ایتاء الزکوٰۃ یوتون الزکوٰۃ اور اتوا الزکوۃ کے عنوان سے بیان کیا گیا، یہاں عنوان بدل کر لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ فرمایا اس کا قرینہ ہے کہ یہاں زکوٰۃ کے وہ اصطلاحی معنے مراد نہیں اس کے علاوہ فاعلون کا بے تکلف تعلق فعل سے ہوتا ہے اور زکوٰۃ اصطلاحی فعل نہیں بلکہ ایک حصہ مال ہے اس حصہ مال کیلئے فاعلون کہنا بغیر تاویل کے نہیں ہو سکتا۔ اگر آیت میں زکوٰۃ کے معنی اصطلاحی زکوٰۃ کے لئے جاویں تو اس کا فرض ہونا اور مومن کے لئے لازم ہونا کھلا ہوا معاملہ ہے اور اگر مراد زکوٰۃ سے تزکیہ نفس ہے یعنی اپنے نفس کو رذائل سے پاک کرنا تو وہ بھی فرض ہی ہے کیونکہ شرک، ریا، تکبر، حسد، بغض، حرص، بخل جن سے نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے یہ سب چیزیں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں ۔ نفس کو ان سے پاک کرنا فرض ہے۔چوتھا وصف، شرمگاہوں کی حفاظت حرام سے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ، اِلَّا عَلٰٓي اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ، یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سب سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطہ کے مطابق شہوت نفس پوری کرنے کے علاوہ اور کسی سے کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ، یعنی شرعی قاعدے کے مطابق اپنی بیوی یا لونڈی سے شہوت نفس کو تسکین دینے والوں پر کوئی ملامت نہیں اس میں اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا ہے مقصد زندگی بنانا نہیں ۔ اس کا درجہ اتنا ہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابل ملامت نہیں واللہ اعلم۔

لیکچر نمبر ۱۰

فَمَنِ ٱبۡتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡعَادُونَ

ترجمہ:پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے

تفسیر:فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاۗءَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ، یعنی منکوحہ بیوی یا شرعی قاعدہ سے حاصل شدہ لونڈی کے ساتھ شرعی قاعدے کے مطابق قضاء شہوت کے علاوہ اور کوئی بھی صورت شہوت پورا کرنے کی حلال نہیں اس میں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت شرعاً اس پر حرام ہے اس سے نکاح بھی حکم زنا ہے اور اپنی بیوی یا لونڈی سے حیض و نفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ یعنی کسی مرد یا لڑکے سے یا کسی جانور سے شہوت پوری کرنا بھی۔ اور جمہور کے نزدیک استمنا بالید یعنی اپنے ہاتھ سے منی خارج کر لینا بھی اس میں داخل ہے۔ (از تفسیر بیان القرآن۔ قرطبی۔ بحر محیط وغیرہ)

وَٱلَّذِينَ هُمۡ لِأَمَٰنَٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رَٰعُونَ

ترجمہ:اور جو اپنی امانتوں سے اپنے اقرار سے خبر دار ہیں

تفسیر:پانچواں وصف امانت کا حق ادا کرنا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ لفظ امانت کے لغوی معنے ہر اس چیز کو شامل ہیں جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس پر اعتماد و بھروسہ کیا گیا ہو ۔ اس کی قسمیں چونکہ بیشمار ہیں اسی لئے باوجود مصدر ہونے کے اس کو بصیغہ جمع لایا گیا ہے تاکہ امانت کی سب قسموں کو شامل ہو جائے خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے حقوق اللہ سے متعلق امانات تمام شرعی فرائض و واجبات کا ادا کرنا اور تمام محرمات و مکروہات سے پرہیز کرنا ہے اور حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت کا داخل ہونا تو معروف و مشہور ہے کہ کسی شخص نے کسی کے پاس اپنا کوئی مال امانت کے طور پر رکھ دیا یہ اس کی امانت ہے اس کی حفاظت اس کے واپس کرنے تک اس کی ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کسی سے کہی وہ بھی اس کی امانت ہے بغیر اذن شرعی کے کسی کا راز ظاہر کرنا امانت میں خیانت ہے۔ مزدور، ملازم کو جو کام سپرد کیا گیا اس کے لئے جتنا وقت خرچ کرنا باہم طے ہوگیا اس میں اس کام کو پورا کرنے کا حق ادا کرنا اور مزدوری ملازمت کے لئے جتنا وقت مقرر ہے اس کو اسی کام میں لگانا بھی امانت ہے کام کی چوری یا وقت کی چوری خیانت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امانت کی حفاظت اور اس کا حق ادا کرنا بڑا جامع لفظ ہے۔ سب مذکورہ تفصیلات اس میں داخل ہیں ۔چھٹا وصف عہد پورا کرنا ہے۔ عہد ایک تو وہ معاہدہ ہے جو دو طرف سے کسی معاملے کے سلسلے میں لازم قرار دیا جائے اس کا پورا کرنا فرض اور اس کے خلاف کرنا غدر اور دھوکا ہے جو حرام ہے۔ دوسرا وہ جس کو وعدہ کہتے ہیں یعنی یکطرفہ صورت سے کوئی شخص کسی شخص سے کسی چیز کے دینے کا یا کسی کام کے کرنے کا وعدہ کر لے۔ اس کا پورا کرنا بھی شرعاً لازم و واجب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے العدۃ دین یعنی وعدہ ایک قسم کا قرض ہے۔ جیسے قرض کی ادائیگی واجب ہے ایسے ہی وعدہ کا پورا کرنا واجب ہے۔ بلا عذر شرعی اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔ فرق دونوں قسموں میں یہ ہے کہ پہلی قسم کے پورا کرنے پر دوسرا آدمی اس کو بذریعہ عدالت بھی مجبور کر سکتا ہے یکطرفہ وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بذریعہ عدالت مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ دیانۃً اس کا پورا کرنا بھی واجب اور بلا عذر شرعی خلاف کرنا گناہ ہے۔

وَٱلَّذِينَ هُمۡ عَلَىٰ صَلَوَٰتِهِمۡ يُحَافِظُونَ

ترجمہ:اور جو اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں
تفسیر:ساتواں وصف نماز پر محافظت ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰي صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ، نماز کی محافظت سے مراد اس کی پابندی کرنا اور ہر ایک نماز کو اس کے وقت مستحب میں ادا کرنا ہے۔ (کذا فسّرہ ابن مسعود، روح) یہاں صلوات کا لفظ جمع اس لئے لایا گیا ہے کہ مراد اس سے پانچ وقت کی نمازیں ہیں جن کو اپنے اپنے وقت مستحب میں پابندی سے ادا کرنا مقصود ہے اور شروع میں جہاں مقصود بالذکر خشوع تھا وہاں لفظ مفرد لایا گیا ہے کہ مطلقاً جنس نماز خواہ فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل سب کی روح خشوع ہے۔ غور کیا جائے تو ان سات اوصاف مذکورہ میں تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد اور ان سے متعلقہ احکام آ جاتے ہیں جو شخص ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو جائے اور اس پر جما رہے وہ مومن کامل فلاح دنیا و آخرت کا مستحق ہے۔یہ بات قابل نظر ہے کہ ان سات اوصاف کو شروع بھی نماز سے کیا گیا اور ختم بھی نماز پر کیا گیا اس میں اشارہ ہے کہ اگر نماز کو نماز کی طرح پابندی اور آداب نماز کے ساتھ ادا کیا جائے تو باقی اوصاف اس میں خود بخود پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ واللہ اعلم
أُوْلَٰئِكَ هُمُ ٱلْوَٰرِثُونَ
ترجمہ:وہی ہیں میراث لینے والے
تفسیر:اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ، الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ، اوصاف مذکورہ کے حامل لوگوں کو اس آیت میں جنت الفردوس کا وارث فرمایا ہے۔ لفظ وارث میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح مورث کا مال اس کے وارث کو پہنچنا قطعی اور لازمی ہے اسی طرح ان اوصاف والوں کا جنت میں داخلہ یقینی ہے اور قد افلح کے بعد اوصاف مفلحین پورے ذکر کرنے کے بعد اس جملے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ فلاح کامل اور اصلی فلاح کی جگہ جنت ہی ہے۔
ٱلَّذِينَ يَرِثُونَ ٱلْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ
ترجمہ:جو میراث پائیں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ۔

لیکچر نمبر ۱۱
پیدائش انسان
وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن سُلَٰلَةٍ مِّن طِينٍ
ترجمہ:اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے
تفسیر:خلاصہ تفسیر(اول بیان ہے ایجاد انسان کا) اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا (یعنی اول مٹی ہوتی ہے پھر اس سے بذریعہ نباتات کے غذا حاصل ہوتی ہے) پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا (اور وہ غذا سے حاصل ہوا تھا) پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا (جس سے وہ ہڈیاں ڈھک گئیں) پھر (ان سب انقلابات کے بعد) ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنا دیا (جو حالات سابقہ سے نہایت ہی متمائز و متبائن ہے کیونکہ اس سے پہلے سب انقلابات ایک جماد بے جان میں ہو رہے تھے اور اب یہ ایک ذی حیات زندہ انسان بن گیا) سو کیسی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے (کیونکہ دوسرے صناع تو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں جوڑ توڑ کر کے ہی بنا سکتے ہیں ۔ زندگی پیدا کرنا یہ خاص اللہ ہی کا کام ہے اور نطفہ پر مذکورہ انقلاب کی تفصیل اسی ترتیب کے ساتھ قانون

وغیرہ کتب طبیہ میں بھی مذکور ہے آگے انسان کے آخری انجام فنا کا بیان ہے) پھر تم بعد اس (تمام قصہ عجیبہ) کے ضرور ہی مرنے والے ہو (آگے بیان ہے اعادہ کا یعنی) پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے (اور جس طرح ہم نے تم کو ابتداء وجود عطا فرمایا اسی طرح تمہاری بقا کا سامان بھی کیا کہ) ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان (جن میں ملائکہ کے آمد و رفت کیلئے راہیں ہیں) بنائے (کہ اس سے تمہاری بھی بعض مصلحتیں متعلق ہیں) اور ہم مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے۔ (بلکہ ہر مخلوق کو مصالح و حکم کی رعایت کر کے بنایا) اور ہم نے (انسان کی بقاء اور نشو و نما کے لئے آسمان سے (مناسب) مقدار کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اس کو (مدت تک) زمین میں ٹھہرایا (چنانچہ کچھ پانی تو زمین کے اوپر رہتا ہے اور کچھ اتر جاتا ہے جو وقتاً فوقتاً نکلتا رہتا ہے) اور ہم (جس طرح اس کے برسانے پر قادر ہیں اسی طرح) اس (پانی) کے معدوم کر دینے پر (بھی) قادر ہیں (خواہ ہوا کی طرف مستحیل کر کے خواہ اتنی دور زمین کی گہرائی میں اتار کر کہ آلات کے ذریعہ سے نہ نکال سکو مگر ہم نے باقی رکھا) پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے انگوروں کے تمہارے واسطے ان (کھجوروں انگوروں) میں بکثرت میوے بھی ہیں (جبکہ ان کو تازہ تازہ کھایا جاوے تو میوہ سمجھا جاتا ہے) اور ان میں سے (جو بچا کر خشک کر کے رکھ لیا جاتا ہے اس کو بطور غذا کے) کھاتے بھی ہو اور (اسی پانی سے) ایک (زیتون کا) درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو کہ طور سینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے (یعنی اس کے پھل سے دونوں فوائد حاصل ہوتے ہیں خواہ روشن کرنے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے (یعنی اس کے پھل سے دونوں فوائد حاصل ہوتے ہیں خواہ روشن کرنے کے اور مالش کرنے کے کام میں لاؤ خواہ اس میں روٹی ڈبو کر کھاؤ یہ سامان مذکور پانی اور نباتات سے تھا) اور (آگے حیوانات کے ذریعہ انسان کے منافع اور آسانیوں کا بیان ہے کہ) تمہارے لئے مواشی میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے کہ ہم تم کو ان کے جوف میں کی چیز (یعنی دودھ) پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں (کہ ان کے بال اور اون کام آتی ہے) اور (نیز) ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو اور ان (میں جو باربرداری کے قابل ہیں ان) پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے (بھی) ہو ۔ معارف و مسائلپچھلی آیات میں انسان کی فلاح دنیا و آخرت کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی تعمیل میں اپنے ظاہر و باطن کو پاک رکھنے اور تمام انسانوں کے حقوق ادا کرنے سے بیان کیا گیا تھا۔ آیات مذکورہ میں اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ اور بنی نوع انسان کی تخلیق میں اس کے مظاہر خاص کا ذکر ہے جس سے واضح ہو جائے کہ انسان جس کو عقل و شعور ہو وہ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار کر ہی نہیں سکتا۔وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ، سلالہ بمعنے خلاصہ اور طین، گیلی مٹی، جس کے معنے یہ ہیں کہ زمین کی مٹی کے خاص اجزاء نکال کر اس سے انسان کو پیدا کیا گیا۔ انسان کی تخلیق کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے اور ان کی تخلیق اس مٹی کے خلاصہ سے ہوئی اس لئے ابتدائی تخلیق کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا۔ اس کے بعد ایک انسان کا نطفہ دوسرے انسان کی تخلیق کا سبب بنا۔ اگلی آیت میں اسی کا بیان ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً سے فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ ابتدائی تخلیق مٹی سے ہوئی پھر آگے سلسلہ تخلیق اسی مٹی کے جزء لطیف یعنی نطفہ سے جاری کر دی گئی۔ جمہور مفسرین نے آیت مذکورہ کی تفسیر یہی لکھی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ سے مراد بھی نطفہ انسانی ہو کیونکہ وہ غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا انسانی مٹی سے بنتی ہے۔ واللہ اعلم۔تخلیق انسانی کے سات مدارج: آیات مذکورہ میں انسان کی تخلیق کی سات دور ذکر کئے گئے ہیں ۔ سب سے پہلے سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ،

دوسرے درجہ میں نطفہ، تیسرے میں علقہ، چوتھے میں مضغہ پانچویں میں عظام یعنی ہڈیاں، چھٹے دور میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانا، ساتواں دور تکمیل تخلیق کا ہے یعنی روح پھونکنا۔ایک لطیفہ عجیبہ از حضرت ابن عباس:تفسیر قرطبی میں اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباس سے اسی آیت سے استدلال کر کے ایک عجیب لطیفہ شب قدر کی تعیین میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے ایک مرتبہ اکابر صحابہ کے مجمع سے سوال کیا کہ شب قدر رمضان کی کون سی تاریخ میں ہے؟ سب نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اللہ اعلم کوئی تعیین بیان نہیں کی۔ حضرت ابن عباس ان سب میں چھوٹے تھے ان سے خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں تو ابن عباس نے فرمایا کہ امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کئے، زمینیں سات پیدا کیں، انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی۔ انسان کی غذا سات چیزیں بنائیں اس لئے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شب قدر ستائیسویں شب ہوگی۔ فاروق اعظم نے یہ عجیب استدلال سن کر اکابر صحابہ سے فرمایا کہ آپ سے وہ بات نہ ہوسکی جو اس لڑکے نے کی جس کے سر کے بال بھی ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ یہ حدیث طویل ابن ابی شیبہ کے مسند میں ہے۔ حضرت ابن عباس نے تخلیق انسانی کے سات درجات سے مراد وہی لیا ہے جو اس آیت میں ہے اور انسان کی غذا کی سات چیزیں سورہ عبس کی آیت میں ہیں فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا، وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا، وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا، وَّحَدَاۗىِٕقَ غُلْبًا، وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا، اس آیت میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں جن میں پہلی سات انسان کی غذا ہے اور آخری یعنی اب یہ جانوروں کی غذا ہے۔ (قرطبی)پھر تخلیق انسانی پر جو سات دور گزرتے ہیں قرآن کریم کی بلاغت دیکھئے کہ ان سب کو ایک ہی انداز سے بیان نہیں فرمایا بلکہ کہیں ایک دور سے دوسرے دور تک انقلاب کو لفظ ثم سے تعبیر کیا ہے جو تراخی یعنی کچھ دیر سے ہونے پر دلالت کرتا ہے کہیں اس انقلاب کا ذکر حرف فاء سے کیا ہے جو بلا تاخیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اس میں اشارہ اس ترتیب کی طرف ہے جو ایک انقلاب سے دوسرے انقلاب کے درمیان فطرۃً ہوتی ہے کہ بعض انقلابات انسانی عقل کے لحاظ سے بہت مشکل اور بہت دیر طلب ہوتے ہیں ۔ بعض اتنے دیر طلب نہیں ہوتے چنانچہ قرآن کریم نے ابتدائی تین دور کو لفظ ثم کے ساتھ بیان کیا ہے اول سلالہ طین پھر اس کو نطفہ کی صورت میں تبدیل کرنا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِى قَرَارٍ مَّكِينٍ

ترجمہ:پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں

تفسیر:اس کو لفظ ثم سے فرمایا ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً کیونکہ مٹی سے غذا کا پیدا ہونا پھر غذا کا جزو بدن ہونا پھر اس میں سے جزء خاص کا نطفہ کی صورت میں تبدیل ہونا انسانی قیاس کی رو سے بڑا وقت چاہتا ہے۔

لیکچر نمبر ۱۲

انسان کی پیدائش کے مختلف مراحل

ثُمَّ خَلَقْنَا ٱلنُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا ٱلْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا ٱلْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا ٱلْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنٰهُ خَلْقًا ءَاخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ ٱللَّهُ أَحْسَنُ ٱلْخٰلِقِينَ

ترجمہ:پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنایا اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی پھر بنائیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے

تفسیر:
اسی طرح اس کے بعد تیسرا درجہ نطفہ کا گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں تبدیل ہونا، یہ بھی ایک طویل وقت چاہتا ہے اس کو بھی ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً سے تعبیر فرمایا۔ اس کے بعد کے تین دور علقہ سے مضغہ مضغہ سے ہڈیاں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھانا ان سب کا تھوڑی تھوڑی مدت میں ہو جانا مستبعد نہیں معلوم ہوتا تو ان تینوں کو حرف فاء سے بیان فرمایا ہے۔ پھر آخری دور جو نفخ روح اور زندگی پیدا کرنے کا ہے اس کو بھی لفظ ثم سے تعبیر فرمایا کیونکہ ایک غیر ذی روح جماد میں روح اور حیات پیدا کرنا قیاس عقل میں بڑی مدت چاہتا ہے اس لئے یہاں پھر لفظ ثم لایا گیا۔خلاصہ یہ ہے کہ ایک دور سے دوسرے دور کی طرف انقلاب جن صورتوں میں انسانی عقل و قیاس کے مطابق دیر طلب اور مدت کا کام تھا وہاں لفظ ثم سے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور جہاں عام انسانی قیاس کی رو سے زیادہ مدت درکار نہیں تھی وہاں حرف فاء سے تعبیر کر کے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اس لئے اس پر اس حدیث سے شبہ نہیں ہو سکتا جس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ہر دور سے دوسرے دور تک منقلب ہونے میں چالیس چالیس دن صرف ہوتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا کام ہے جو انسانی قیاس کے تابع نہیں ۔تخلیق انسانی کا آخری مقام یعنی اس میں روح و حیات پیدا کرنا:اس کا بیان قرآن کریم نے ایک خاص اور ممتاز انداز سے اس طرح فرمایا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ، یعنی پھر ہم نے اس کو ایک خاص قسم کی اور پیدائش عطا کی۔ اس امتیاز بیان کی وجہ یہ ہے کہ پہلے چھ دور تخلیق کے عالم عناصر اور مادیات سے اور ان میں انقلاب و تبدیل سے متعلق تھے اور یہ آخری ساتواں دور دوسرے عالم یعنی عالم ارواح سے روح کو اس کے جسم میں منتقل کرنے کا دور تھا اس لئے اس کو خلقاً آخر سے تعبیر کیا گیا۔روح حقیقی اور روح حیوانی:یہاں خَلْقًا اٰخَرَ کی تفسیر حضرت ابن عباس، مجاہد، شعبی، عکرمہ، ضحاک، ابو العالیہ (رحمہم اللہ) وغیرہ نے نفخ روح سے فرمائی ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ غالباً مراد اس روح سے روح حیوانی ہے کہ وہ بھی مادی اور ایک جسم لطیف ہے جو جسم حیوانی کے ہر ہر جزو میں سمایا ہوا ہوتا ہے جس کو اطباء اور فلاسفہ روح کہتے ہیں ۔ اس کی تخلیق بھی تمام اعضاء انسانی کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے اس لئے اس کو لفظ ثم سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور روح حقیقی جس کا تعلق عالم ارواح سے ہے، وہیں سے لا کر اس روح حیوانی کے ساتھ اس کا کوئی رابطہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرما دیتے ہیں جس کی حقیقت کا پہچاننا انسان کے بس کا نہیں اس روح حقیقی کی تخلیق تو تمام انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہے انہیں ارواح کو حق تعالیٰ نے ازل میں جمع کر کے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرمایا اور سب نے بَلٰي کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ ہاں اس کا تعلق جسم انسانی کے ساتھ تخلیق اعضاء انسانی کے بعد ہوتا ہے۔ اس جگہ نفح روح سے اگر یہ مراد لی جائے کہ روح حیوانی کے ساتھ روح حقیقی کا تعلق اس وقت قائم فرمایا گیا تو یہ بھی ممکن ہے۔ اور درحقیقت حیات انسان اسی روح حقیقی سے متعلق ہے جب اس کا تعلق روح حیوانی کے ساتھ ہو جاتا ہے تو انسان زندہ کہلاتا ہے جب منقطع ہو جاتا ہے تو انسان مردہ کہلاتا ہے وہ روح حیوانی بھی اپنا عمل چھوڑ دیتی ہے۔فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ، خلق و تخلیق کے اصلی معنے کسی چیز کو ازسرنو بغیر کسی مادہ سابقہ کے پیدا کرنا ہے جو حق تعالیٰ جل شانہ، کی مخصوص صفت ہے۔ اس معنے کے اعتبار سے خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی دوسرا شخص فرشتہ ہو یا انسان کسی ادنیٰ چیز کا خالق نہیں ہو سکتا۔ لیکن کبھی کبھی یہ لفظ خلق و تخلیق صنعت کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور صنعت کی حقیقت اس سے زائد نہیں کہ اللہ جل شانہ نے جو مواد اور عناصر اس جہان میں اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرما دیئے ہیں ان کو جوڑ توڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ مرکب کر کے

ایک نئی چیز بنا دی جائے یہ کام ہر انسان کر سکتا ہے اور اسی معنے کے لحاظ سے کسی انسان کو بھی کسی خاص چیز کا خالق کہہ دیا جاتا ہے۔ خود قرآن کریم نے فرمایا تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــــَـــةِ الطَّيْرِ ، ان تمام مواقع میں لفظ خلق مجازی طور پر صنعت کے معنے میں بولا گیا ہے۔اسی طرح یہاں لفظ خٰلِقِيْنَ بصیغہ جمع اسی لئے لایا گیا ہے کہ عام انسان جو اپنی صنعت گری کے اعتبار سے اپنے کو کسی چیز کا خالق سمجھتے ہیں اگر ان کو مجازاً خالق کہا بھی جائے تو اللہ تعالیٰ ان سب خالقوں یعنی صنعت گروں میں سب سے بہتر صنعت کرنے والے ہیں ۔ واللہ اعلم

ثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ

ترجمہ:پھر تم اس کے بعد مرو گے

تفسیر:ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ، پچھلی تین آیتوں میں انسان کے مبدا یعنی ابتداء آفرینش کا ذکر تھا۔ اب دو آیتوں میں اس کے معاد یعنی انجام کار کا ذکر ہے۔ آیت مذکورہ میں فرمایا کہ پھر تم سب اس دنیا میں آنے اور رہنے کے بعد موت سے دوچار ہونے والے ہو جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔

ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ تُبْعَثُونَ

ترجمہ:پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے

تفسیر:

پھر فرمایا کہ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ، یعنی مرنے کے بعد پھر قیامت کے روز تم سب زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے تاکہ تمہارے اعمال کا حساب لے کر اصلی ٹھکانے جنت یا دوزخ تک پہنچا دیا جائے۔ یہ انسان کا انجام ہوا، آگے آغاز و انجام یعنی مبدا و معاد کے درمیانی حالات اور ان میں انسان پر حق تعالیٰ کے احسانات و انعامات کی تھوڑی سی تفصیل ہے جس کو اگلی آیت میں آسمان کی تخلیق کے ذکر سے شروع فرمایا ہے۔

لیکچر نمبر ۱۳

آداب معاشرت

سورہ فرقان آیت نمبر ٦٣

وَعِبَادُ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى ٱلْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ ٱلْجَٰهِلُونَ قَالُواْ سَلَٰمًا

ترجمہ:اور بندے رحمن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت

تفسیر:

خلاصہ تفسیراور (حضرت) رحمن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں (مطلب یہ کہ ان کے مزاج میں تواضح ہے تمام امور میں اور اسی کا اثر چلنے میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور خاص چال کی ہیئت بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ دماغ داری کے ساتھ نرم رفتاری موجب مدح نہیں اور یہ تواضح تو ان کا طرز خاص اپنے اعمال میں ہے) اور (دوسروں کے ساتھ ان کا طرز یہ ہے کہ) جب ان سے جہالت والے لوگ (جہالت کی) بات(چیت) کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں ۔ (مطلب یہ کہ اپنے نفس کے لئے انتقام قولی یا فعلی نہیں لیتے اور جو خشونت تادیب و اصلاح و سیاست شرعیہ یا اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے ہو اس کی نفی مقصود نہیں) اور جو (اللہ کے ساتھ اپنا یہ طرز رکھتے ہیں کہ)

راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں اور جو (باوجود ادائے حقوق اللہ و حقوق العباد کے اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرتے ہیں کہ) دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے، بیشک وہ جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے (یہ تو ان کی حالت طاعات بدنیہ میں ہے) اور (طاعات مالیہ میں ان کا یہ طریقہ ہے) وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں (کہ معصیت میں صرف کرنے لگیں) اور نہ تنگی کرتے ہیں (کہ اطاعت ضروریہ میں بھی خرچ کی کوتاہی کریں اور اسراف میں وہ خرچ بھی آ گیا کہ بلاضرورت استطاعت سے زیادہ مباحات میں یا طاعات غیر ضروریہ میں خرچ کریں جس کا انجام اخیر میں بے صبری اور حرص و بد نیتی ہو کیونکہ یہ امور معصیت ہیں اور جو چیز معصیت کا سبب بنے وہ بھی معصیت ہے اس لئے وہ بھی معصیت ہی میں خرچ کرنا انجام کار ہوگیا۔ اسی طرح طاعات ضروریہ میں بالکل خرچ نہ کرنے کی مذمت لَمْ يَقْتُرُوْا سے مفہوم ہوگئی کیونکہ جب خرچ میں کمی کرنا جائز نہیں تو عدم انفاق تو بدرجہ اولی ناجائز ہوگا پس یہ شبہ نہ رہا کہ خرچ میں کمی کرنے کی تو نفی اور نہی ہو گئی لیکن عدم الانفاق بالکلیہ کی نفی اور نہی نہ ہوئی، غرض وہ انفاق میں افراط و تفریط دونوں سے مبرا ہیں) ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے (اور یہ حالت مذکورہ تو طاعات کی ادائیگی سے متعلق تھی) اور جو (گناہ سے بچنے میں یہ شان رکھتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے (جو معصیت متعلق عقائد کے ہے) اور جس شخص(کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے (قواعد شرعیہ کی رو سے) حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہں مگر حق پر (یعنی جب قتل کے وجوب یا اباحت کا کوئی سبب شرعی پایا جاوے اس وقت اور بات ہے) اور وہ زنا نہیں کرتے (کہ یہ قتل و زنا اعمال کے متعلقہ گناہوں میں سے ہیں) اور جو شخص ایسے کام کرے گا (کہ شرک کرے یا شرک کے ساتھ قتل ناحق بھی کرے یا زنا بھی کرے جیسے مشرکین مکہ تھے) تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا (جیسا کفار کے حق میں دوسری آیات میں آیا ہے زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ) اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل(وخوار) ہو کر رہے گا (تاکہ عذاب جسمانی کے ساتھ ذلت کا عذاب روحانی بھی ہو اور شدت عذاب یعنی تضاعف کے ساتھ مقدار کی زیادتی یعنی خلود بھی ہو اور مراد اس وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ سے کفار و مشرکین ہیں بقرنیہ یضاعف و یخلد و مہاناً و آمن کیونکہ مومن گناہگار کے لئے عذاب میں زیادتی اور خلود نہ ہوگا بلکہ اس کا عذاب اس کو پاک صاف کرنے کے لئے ہوگا نہ کہ اہانت کے لئے اور اس کے لئے تجدید ایمان کی ضرورت نہیں صرف توبہ کافی ہے جس کا آگے بیان ہے وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ الخ نیز قرائن مذکورہ کے سوا صحیحین میں ابن عباس سے شان نزول بھی اس کا یہی منقول ہے کہ مشرکین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی) مگر جو (شرک و معاصی سے) توبہ کرلے اور (اس توبہ کے قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ) ایمان (بھی) لے آوے اور نیک کام کرتا رہے (یعنی ضروری طاعات کو بجا لاتا رہے) تو (اس کو جہنم میں خلود تو کیا ہوتا جہنم سے ذرا بھی مس نہ ہوگا بلکہ) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گزشتہ) گناہوں (کو محو کر کے ان) کی جگہ (آئندہ) نیکیاں عنایت فرمائے گا (یعنی چونکہ گزشتہ کفر و گناہ زمانہ کفر کے بعد اسلام کی برکت سے معاف ہو جاویں گے اور آئندہ بوجہ اعمال صالحہ کے حسنات لکھی جاتی رہیں گی اور ان پر ثواب ملے گا اس لئے جہنم سے ان کا کچھ تعلق نہ ہوگا پس الا استثناء منقطع ہے اور مَنْ تَابَ کی خبر فَاُولٰٓئِكَ الخ ہے اور مقصود بالحکم تبدیل سیئات بالحسنات ہے جو مجموعہ ایمان و توبہ و عمل صالح پر مرتب ہے اور جہنم کی آگ سے محفوظ رہنا اس کا لازمی اثر ہے اور جہنم میں دخول ہی نہیں تو

خلود نہ ہونا ظاہر ہے، یا استثناء متصل ہو اور عدم خلود کے لئے مجموعہ ایمان و توبہ و عمل صالح شرط نہ ہو مگر مجموعہ کے ساتھ عدم خلود کا پایا جانا اس آیت میں مذکور ہوا اور صرف ایمان پر عدم خلود کا مرتب ہونا دوسرے دلائل سے ثابت ہو) اور (یہ محو سیئات و ثبت حسنات اس لئے ہوا کہ) اللہ تعالیٰ غفور ہے (اس لئے سیئات کو محو کر دیا اور) رحیم ہے (اس لئے حسنات کو قائم فرمایا۔ یہ تو تائب عن الکفر کا بیان تھا۔) اور (آگے اس مومن کا ذکر ہے جو گناہ سے توبہ کرے تاکہ مضمون توبہ کا پورا ہو جائے و نیز مقبول بندوں کے بقیہ اوصاف کا بیان ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ طاعات کے پابند اور سیئات سے پرہیز کے عادی رہتے ہیں لیکن اگر احیاناً صدور معصیت ہو جائے تو توبہ کر لیتے ہیں اس لئے تائبین کا حال ارشاد فرمایا (یعنی) جو شخص(جس معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے (یعنی آئندہ معصیت سے بچتا ہے) تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے (یعنی خوف و اخلاص کے ساتھ کہ شرط توبہ ہے، آگے پھر عباد رحمٰن کے اوصاف بیان فرماتے ہیں یعنی) اور (ان میں یہ بات ہے کہ) وہ بیہودہ باتوں میں (جیسے لہو و لعب خلاف شرع) شامل نہیں ہوتے اور اگر (اتفاقاً بلاقصد) بیہودہ مشغلوں کے پاس کو ہو کر گزریں تو سنجیدگی (و شرافت) کے ساتھ گزر جاتے ہیں (یعنی نہ اس کی طرف مشغول ہوتے ہیں اور نہ ان کے آثار سے گناہگاروں کی تحقیر اور اپنا ترفع اور تکبر ظاہر ہوتا ہے) اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان (احکام) پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے (جس طرح کافر قرآن پر ایک نئی بات سمجھ کر تماشے کے طور پر اور نیز اس میں اعتراضات پیدا کرنے کے لئے اس کے حقائق و معارف سے اندھے بہرے ہو کر اندھا دھند بے ترتیب ہجوم کر لیتے تھے جیسا کہ دوسری جگہ قرآن کا ارشاد ہے كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا (علی بعض التفاسیر) سو عباد مذکورین ایسا نہیں کرتے، بلکہ عقل و فہم کے ساتھ قرآن پر متوجہ اور اس کی طرف دوڑتے ہیں جس کا ثمرہ زیادہ ایمان و عمل بالاحکام ہے پس مقصود آیت میں اندھے بہرے ہونے کی نفی کرنا ہے نہ کہ قرآن کی طرف شوق کے ساتھ متوجہ ہونے اس پر گرنے کی، کیونکہ وہ عین مطلوب ہے۔ اور اس سے کافر کے لئے بھی قرآن پر گرنا تو ثابت ہوتا ہے مگر وہ مخالفت اور مزاحمت کے طور پر اور اندھے بہروں کی طرح تھا اس لئے وہ مذموم ہے) اور وہ ایسے ہیں کہ (خود جیسے دین کے عاشق ہیں اسی طرح اپنے اہل و عیال کے لئے بھی اس کے ساعی اور داعی ہیں، چنانچہ عملی کوشش کے ساتھ حق تعالیٰ سے بھی) دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک(یعنی راحت) عطا فرما (یعنی ان کو دیندار بنا دے اور ہم کو ہماری اس سعی دینداری میں کامیاب فرما کر ان کو دینداری میں کامیاب فرما کہ ان کو دینداری کی حالت میں دیکھ کر راحت اور سرور ہو) اور (تو نے ہم کو ہمارے خاندان کا افسر تو بنایا ہی ہے مگر ہماری دعا یہ ہے کہ ان سب کو متقی کر کے) ہم کو متقیوں کا افسر بنا دے (تو اصل مقصود افسری مانگنا نہیں ہے گو اس میں بھی قباحت نہیں مگر مقام دلالت نہیں کرتا بلکہ اصل مقصود اپنے خاندان کے متقی ہونے کی درخواست ہے یعنی بجائے اس کے کہ ہم صرف خاندان کے افسر ہیں ہم کو متقی خاندان کا افسر بنا دیجئے، یہاں تک عباد رحمان کے اوصاف کا بیان تھا آگے ان کی جزا ہے یعنی) ایسے لوگوں کو (بہشت میں رہنے کو) بالاخانے ملیں گے بوجہ ان کے (دین و اطاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس(بہشت) میں (فرشتوں کی جانب سے) بقاء کی دعا اور سلام ملے گا (اور) اس (بہشت) میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے (جیسا جہنم کے بارے میں سَاۗءَتْ مُسْتَـقَرًّا وَّمُقَامًا فرمایا ہے، اے پیغمبر ﷺ) آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ

دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروا نہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے سو (اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اے کفار) تم تم (احکام الہیہ کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب یہ (جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے) وبال(جان) ہو (کر رہے) گا، (خواہ دنیا میں جیسے واقعہ بدر میں کفار پر مصیبت آئی یا آخرت میں اور وہ ظاہر ہے۔)معارف و مسائلسورہ فرقان کے بیشتر مضامین رسول اللہ ﷺ کی رسالت و نبوت کے ثبوت اور کفار و مشرکین جو اس پر اعتراض کرتے تھے ان کے جوابات پر مشتمل تھے اور اس میں کفار و مشرکین اور احکام کی نافرمانی کرنے والوں پر عذاب و سزا کا بھی ذکر تھا۔ آخر سورت میں اپنے ان مخصوص اور مقبول بندوں کا ذکر فرماتے ہیں جن کا رسالت پر ایمان بھی مکمل ہے اور ان کے عقائد اعمال، اخلاق، عادات سب اللہ و رسول کی مرضی کے تابع احکام شرعیہ کے مطابق ہیں ۔قرآن کریم نے ایسے مخصوص بندوں کو عباد الرحمٰن کا لقب عطا فرمایا جو ان کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ یوں تو ساری ہی مخلوق تکوینی اور جبری طور پر اللہ کی بندگی اور اس کی مشیت و ارادہ کے تابع ہے اس کے ارادے کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ مگر یہاں بندگی سے مراد تشریعی اور اختیاری بندگی ہے یعنی اپنے اختیار سے اپنے وجود اور اپنی تمام خواہشات اور تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع بنا دینا ایسے مخصوص بندے جن کو حق تعالیٰ نے خود اپنا بند کہہ کر عزت بخشی ہے ان کے اوصاف آخر سورت تک بیان کئے گئے ہیں درمیان میں کفر و معصیت سے توبہ اور اس کے اثرات کا ذکر آیا ہے۔یہاں ان مخصوص بندوں کو اپنا بندہ فرما کر ان کو اعزازی لقب دینا تھا مگر اپنی طرف نسبت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سب اسماء حسنی اور صفات کمال میں سے اس جگہ لفظ رحمن کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ مقبولین کی عادات و صفات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی ترجمان اور مظہر ہونا چاہئیں اس کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے۔اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی مخصوص صفات و علامات:آیات مذکورہ میں اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفات و علامات کا ذکر آیا ہے جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے، سب میں اللہ و رسول کے احکام اور مرضی کی پابندی۔ دوسرے انسان کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت، رات دن کی عبادت گزاری کے ساتھ خوف خدا۔ تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اپنی اولاد و ازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں ۔ان کا سب سے پہلا وصف عباد ہونا ہے۔ عباد عبد کی جمع ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم و مرضی پر دائر ہوتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنے عقائد و خیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت و سکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوش برآواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجا لاؤں ۔دوسری صفت : يَمْشُوْنَ عَلَي الْاَرْضِ هَوْنًا، یعنی چلتے ہیں وہ زمین پر تواضع کے ساتھ لفظ ہَون کا مفہوم اس جگہ سکینت و وقار اور تواضع ہے کہ اکڑ کر نہ چلے، قدم مکتبرانہ انداز سے نہ رکھے بہت آہستہ چلنا مراد نہیں، کیونکہ وہ بلا ضرورت ہو تو خلاف سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے چلنے کی جو صفت شمائل نبویہ میں منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چلنا بہت آہستہ نہیں بلکہ کسی قدر تیزی کے ساتھ تھا۔ حدیث میں ہے کانما الارض تطوی لہ، یعنی آپ ایسا چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے لئے سمٹتی ہے (ابن کثیر) اسی لئے سلف صالحین نے بتکلف مریضوں کی طرح آہستہ چلتے کو علامت تکبر و تصنع ہونے کے سبب مکروہ قرار دیا ہے۔ فاروق اعظم نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ چل رہا ہے، پوچھا: کیا تم بیمار ہو ۔ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے اس پر دُرہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کے ساتھ چلا کرو ۔ (ابن کثیر)حضرت حسن بصری نے اس

آیت یَمْشُوْنَ عَلَي الْاَرْضِ هَوْنًا کی تفسیر میں فرمایا کہ مومنین مخلصین کے تمام اعضاء وجوارح آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب اللہ کے سامنے ذلیل و عاجز ہوتے ہیں ناواقف ان کو دیکھ کر معذور عاجز سمجھتا ہے حالانکہ نہ وہ بیمار ہیں نہ معذور بلکہ تندرست قوی ہیں مگر ان پر حق تعالیٰ کا خوف ایسا طاری ہے جو دوسروں پر نہیں ہے۔ ان کو دنیا کے دھندوں سے آخرت کی فکر نے روکا ہوا ہے اور جو شخص اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا اور اس کی ساری فکر دنیا ہی کے کاموں میں لگی رہتی ہے تو وہ ہمیشہ حسرت ہی حسرت میں رہتا ہے (کہ دنیا تو ساری ملتی نہیں اور آخرت میں اس نے حصہ نہیں لیا) اور جس شخص نے اللہ کی نعمت صرف کھانے پینے کی ہی چیزوں کو سمجھا ہے اور اعلی اخلاق کی طرف دھیان نہیں دیا، اس کا علم بہت تھوڑا ہے اور عذاب اس کے لئے تیار ہے۔ (از ابن کثیر ملخصاً)تیسری صفت: وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا یعنی جب جہالت والے ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں، سلام۔ یہاں جاہلون کا ترجمہ جہالت والوں سے کر کے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مراد اس سے بے علم آدمی نہیں بلکہ وہ جو جہالت کے کام اور جاہلانہ باتیں کرے خواہ واقع میں وہ ذی علم بھی ہو ۔ اور لفظ سلام سے مراد یہاں عرفی سلام نہیں بلکہ سلامتی کی بات ہے۔ قرطبی نے نحاس سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سلام تسلیم سے مشتق نہیں بلکہ تسلم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سلامت رہنا۔ مراد یہ ہے کہ جاہلوں کے جواب میں وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں جس سے دوسروں کو ایذا نہ پہنچے اور یہ گناہگار نہ ہو ۔ یہی تفسیر حضرت مجاہد، مقاتل وغیرہ سے منقول ہے۔ (مظہری) حاصل یہ ہے کہ بے وقوف جاہلانہ باتیں کرنے والوں سے یہ حضرات انتقامی معاملہ نہیں کرتے بلکہ ان سے درگزر کرتے ہیں ۔

لیکچر نمبر ۱۴

اہل ایمان کی راتیں کیسے گزرنی چاہیئں

وَٱلَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَٰمًا

ترجمہ:اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے

تفسیر:چوتھی صفت: وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ، یعنی وہ رات گزارتے ہیں اپنے رب کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے۔ عبادت میں شب بیداری کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا گیا کہ یہ وقت سونے آرام کرنے کا ہے اس میں نماز و عبادت کے لئے کھڑا ہونا خاص مشقت بھی ہے اور اس میں ریا و نمود کے خطرات بھی نہیں ہیں ۔ منشاء یہ ہے کہ ان کا لیل و نہار اللہ کی اطاعت میں مشغول ہے دن کو تعلیم و تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے کام ہیں رات کو اللہ کے سامنے عبادت گزاری کرنا ہے۔ تہجد کی نماز کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوامامہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیام اللیل، تہجد کی پابندی کرو کیونکہ وہ تم سے پہلے بھی سب نیک بندوں کی عادت رہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے تم کو قریب کرنے والی اور سیئات کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی چیز ہے۔ (مظہری)حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کے بعد دو یا زیادہ رکعتیں پڑھ لیں وہ بھی اس حکم میں داخل ہے کہ بات للہ ساجدا و قائما (مظہری از بغوی) اور حضرت عثمان غنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی تو آدھی رات عبادت میں گزارنے کے حکم میں ہوگیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کرلی وہ باقی آدھی

رات بھی عبادت میں گزارنے والا سمجھا جائے گا (رواہ احمد و مسلم فی صحیحہ از مظہری)
اہل ایمان کی دعاء
وَٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا ٱصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا
ترجمہ:اور وہ لوگ کہ کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب بیشک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے
تفسیر:پانچویں صفت: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ الآیہ یعنی یہ مقبولین بارگاہ شب و روز عبادت و اطاعت میں مصروف رہنے کے باوجود بے خوف ہو کر نہیں بیٹھ رہتے بلکہ ہر وقت خدا کا خوف اور آخرت کی فکر رکھتے ہیں جس کے لئے عملی کوشش بھی جاری رہتی ہے اور اللہ تعال سے دعائیں بھی۔
إِنَّهَا سَآءَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَمُقَامًا
ترجمہ:وہ بری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور بری جگہ رہنے کی

لیکچر نمبر ۱۵
اہل یمان نہ فضول خرچ نہ ہی بخیل
وَٱلَّذِينَ إِذَآ أَنفَقُواْ لَمۡ يُسۡرِفُواْ وَلَمۡ يَقۡتُرُواْ وَكَانَ بَيۡنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا
ترجمہ:اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بے جا اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزرا
تفسیر:چھٹی صفت: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا الآیتہ، یعنی اللہ کے مقبول بندے مال خرچ کرنے کے وقت نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل و کوتاہی، بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں ۔ آیت میں اسراف اور اس کے بالمقابل اقتار کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ۔اسراف کے لغوی معنے حد سے تجاوز کرنے کے ہیں ۔ اصطلاح شرع میں حضرت ابن عباس ، مجاہد، قتادہ، ابن جریج کے نزدیک اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اگرچہ ایک پیسہ ہی ہو، اور بعض حضرات نے فرمایا، جائز اور مباح کا کاموں میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا جو تبذیر یعنی فضول خرچی کی حد میں داخل ہو جائے وہ بھی اسراف کے حکم میں ہے کیونکہ تبذیر یعنی فضول خرچی بنص قرآن حرام و معصیت ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ اس لحاظ سے اس تفسیر کا حاصل بھی حضرت ابن عباس وغیرہ کی مذکورہ تفسیر ہوگیا، یعنی معصیت و گناہ میں جو کچھ خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے۔ (مظہری)اور اقتار کے معنے خرچ میں تنگی اور بخل کرنے کے ہیں ۔ اصطلاح شرع میں اس کے معنے یہ ہیں کہ جن کاموں میں اللہ و رسول نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ان میں خرچ کرنے میں تنگی برتنا (اور بالکل خرچ نہ کرنا بدرجہ اولی اس میں داخل ہے) یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباس ، قتادہ وغیرہ سے منقول ہے (مظہری) آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ کے مقبول بندوں کی صفت مال خرچ کرنے میں یہ ہوتی ہے کہ اسراف اور اقتار کے درمیان اعتدال اور میانہ روی پر عمل کرتے ہیں ۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے من فقہ الرجل قصدہ فی معیشتہ یعنی انسان کی دانشمندی کی علامت یہ ہے کہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے (نہ اسراف میں مبتلا ہو نہ بخل میں) (رواہ الامام احمد عن ابی الدرداء۔ ابن کثیر) ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ما عال من اقتصد یعنی جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر و محتاج نہیں ہوتا (رواہ الامام احمد ۔ ابن کثیر)

مسلمان نہ مشرک نہ دہشت گرد نہ بےحیاء
وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِى حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا
ترجمہ:اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کر دی اللہ نے مگر جہاں چاہئے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں
تفسیر:ساتویں صفت: وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ، پہلی چھ صفات میں اطاعت و فرمانبرداری کے اصول آ گئے ہیں اب معصیت و نافرمانی کے اصول مہمہ کا بیان ہے جن میں پہلی چیز عقیدہ سے متعلق ہے کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک نہیں کرتے جس سے شرک کا سب سے بڑا گناہ ہونا معلوم ہوا۔آٹھویں اور نویں صفت: لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الآیہ، یہ عملی گناہوں میں سے بڑے بڑے اور سخت گناہوں کا بیان ہے کہ اللہ کے مقبول بندے ان کے پاس نہیں جاتے، کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا کے پاس نہیں جاتے۔ یہ تین عقیدہ اور عمل کے بڑے گناہ بیان فرمانے کے بعد آیت میں ارشاد ہے وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا یعنی جو شخص ان مذکورہ گناہوں کا مرتکب ہوگا وہ اس کی سزا پائے گا۔
ابوعبیدہ نے اس جگہ لفظ اثام کی تفسیر سزائے گناہ سے کی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو سخت و شدید عذابوں سے پر ہے۔ بعض روایات حدیث بھی اس کی شہادت میں لکھی ہیں ۔ (تفسیر مظہری)

لیکچر نمبر ١٦
دہشت گردی شرک اوربے حیائی پر پکڑ
يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا
ترجمہ:دونا ہوگا، اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر

تفسیر:آگے اس عذاب کا بیان ہے جو جرائم مذکورہ کے کرنے والوں پر ہوگا اور آیات کے سیاق و سباق سے یہ بات متعین ہے کہ یہ عذاب کفار کے لئے مخصوص ہے جنہوں نے شرک و کفر بھی کیا اور اس کے ساتھ قتل و زنا میں بھی مبتلا ہوئے۔ کیونکہ اول تو یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ کے الفاظ مسلمان گناہگاروں کے لئے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے ایک گناہ پر ایک ہی سزا کا وعدہ قرآن و سنت میں منصوص ہے۔ سزا میں تضاعف یعنی کیفیت یا کمیت میں زیادتی مومنین کے لئے نہیں ہوگی۔ یہ کفار کی خصوصیت ہے کہ کفر پر جو عذاب ہونا تھا اگر کفر کے ساتھ اور گناہ بھی کئے تو عذاب دوہرا ہو جاوے گا۔ دوسرے اس عذاب میں یہ بھی مذکور ہے وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا، یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس عذاب میں ذلیل و خوار ہو کر۔ کوئی مومن ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں نہیں رہے گا، کتنا ہی بڑا گناہگار ہو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جاوے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ شرک و کفر میں بھی مبتلا ہوئے اور قتل و زنا میں بھی، ان کا عذاب مضاعف یعنی دوہرا، شدید بھی ہوگا اور پھر یہ عذاب دائمی بھی رہے گا۔ آگے یہ بیان ہے کہ ایسے سخت مجرم جن کا عذاب یہاں مذکور ہوا ہے اگر وہ توبہ کرلیں اور ایمان لا کر نیک عمل کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سیئات کو حسنات سے یعنی برائیوں کو بھلائیوں سے تبدیل کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اس توبہ کے بعد ان کے اعمال نامہ میں حسنات ہی حسنات رہ جائیں گی کیونکہ شرک و کفر سے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ بحالت شرک و کفر جتنے گناہ کئے ہوں اسلام و

ایمان قبول کر لینے سے وہ پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس لئے پچھلے زمانے میں جو ان کا نامہ اعمال سیئات اور معاصی ہی سے لبریز تھا اب ایمان لانے سے وہ تو سب معاف ہوگئے۔ آگے ان معاصی اور سیئات کی جگہ ایمان اور اس کے بعد کے اعمال صالحہ نے لے لی۔ سیئات کو حسنات میں تبدیل کرنے کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس ، حسن بصری، سعید بن جبیر، مجاہد وغیرہ ائمہ، تفسیر سے منقول ہے۔ (مظہری)ابن کثیر نے اس کی ایک دوسری تفسیر یہ بھی نقل کی ہے کہ انہوں نے جتنے گناہ زمانہ کفر و جاہلیت میں کئے تھے، ایمان لانے کے بعد ان سب گناہوں کے بجائے نیکیاں لکھ دی جاویں گی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد جب کبھی ان لوگوں کو اپنے پچھلے گناہ یاد آویں گے تو ان پر نادم ہوں گے اور توبہ کی تجدید کریں گے ان کے اس عمل سے وہ گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاویں گے، اس کی دلیل میں بعض روایات حدیث بھی پیش فرمائی ہیں ۔

توبہ کا صحیح طریقہ اور فضیلت

إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُوْلَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا

ترجمہ:مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَإِنَّهُۥ يَتُوبُ إِلَى ٱللَّهِ مَتَابًا

ترجمہ:اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ

تفسیر:وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللهِ مَتَابًا، بظاہر یہ اسی مضمون کا تکرار ہے جو اس سے پہلے آیت میں آیا ہے اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا اور قرطبی نے قفال سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ توبہ پہلی توبہ سے مختلف اور الگ ہے کیونکہ پہلا معاملہ کافر و مشرکین کا تھا جو قتل و زنا میں بھی مبتلا ہوئے تھے، پھر ایمان لے آئے تو ان کی سیئات حسنات سے بدل دی گئیں اور یہاں مسلمان گناہگاروں کی توبہ کا ذکر ہے۔ اسی لئے پہلی توبہ کے ساتھ وَاٰمَنَ یعنی اس کے ایمان لانے کا ذکر تھا، اس دوسری توبہ میں وہ مذکور نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توبہ ان لوگوں کی ذکر کی گئی ہے جو پہلے سے مومن ہی تھے مگر غفلت سے قتل و زنا میں مبتلا ہوگئے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسے لوگ اگر توبہ کر لینے کے بعد صرف زبانی توبہ پر اکتفا نہ کریں بلکہ آئندہ کے لئے اپنے عمل کو بھی صالح اور درست بنا لیں تو ان کا توبہ کرنا صحیح اور درست سمجھا جائے گا۔ اسی لئے بطور شرط کے توبہ کر لینے کے ابتدائی حال ذکر کرنے کے بعد اس کی جزاء میں پھر يَتُوْبُ کا ذکر کرنا صحیح ہوگیا کیونکہ شرط میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ صرف زبانی توبہ ہے اور جزاء میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ عمل صالح پر مرتب ہے۔ مطلب یہ ہوگیا کہ جس نے توبہ کر لی پھر اپنے عمل سے بھی اس توبہ کا ثبوت دیا تو وہ صحیح طور پر اللہ کی طرف رجوع کرنے والا سمجھا جائے گا بخلاف اس کے جس نے پچھلے گناہ سے توبہ تو کی مگر آئندہ عمل میں اس کا کوئی ثبوت نہ فراہم کیا تو اس کی توبہ گویا توبہ ہی نہیں ۔ خلاصہ مضمون اس آیت کا یہ ہوگیا کہ جو مسلمان غفلت سے گناہ میں مبتلا ہوگیا پھر توبہ کر لی اور اس توبہ کے بعد اپنے عمل کی بھی ایسی اصلاح کر لی کہ اس کے عمل سے توبہ

کا ثبوت ملنے لگا تو یہ توبہ بھی عنداللہ مقبول ہوگی اور بظاہر اس کا فائدہ بھی وی ہوگا جو پہلی آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اس کے سیئات کو حسنات سے بدل دیا جائے گا۔اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی خاص صفات کا بیان اوپر سے ہو رہا تھا، درمیان میں گناہ کے بعد توبہ کر لینے کے ا حکام کا بیان آیا اس کے بعد باقی صفات کا بیان ہے۔

لیکچر نمبر ۱۷

وَٱلَّذِينَ لَا يَشۡهَدُونَ ٱلزُّورَ وَإِذَا مَرُّواْ بِٱللَّغۡوِ مَرُّواْ كِرَامٗا

ترجمہ:اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ

تفسیر:دسویں صفت: وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ، یعنی یہ لوگ جھوٹ اور باطل کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے۔ سب سے بڑا جھوٹ اور باطل تو شرک و کفر ہے اس کے بعد عام جھوٹ اور گناہ کے کام ہیں ۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ایسی مجلسوں میں شرکت سے بھی گریز کرتے ہیں ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس سے مراد مشرکین کی عیدیں اور میلے ٹھیلے ہیں حضرت مجاہد اور محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد گانے بجانے کی محفلیں ہیں ۔ عمرو بن قیس نے فرمایا کہ بے حیائی اور ناچ رنگ کی محفلیں مراد ہیں ۔ زہری، امام مالک نے فرمایا کہ شراب پینے پلانے کی مجلسیں مراد ہیں (ابن کثیر) اور حقیقت یہ ہے کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں، یہ ساری ہی مجلسیں مجلس زور کی مصداق ہیں ۔ اللہ کے نیک بندوں کو ایسی محفلوں ہی سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ لغو و باطل کا بالقصد دیکھنا بھی اس کی شرکت کے حکم میں ہے۔ (مظہری) اور بعض حضرات مفسرین نے لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ میں یشہدون کو شہادت بمعنے گواہی سے لیا ہے اور معنی آیت کے یہ قرار دیئے کہ یہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ جھوٹی گواہی کا گناہ کبیرہ اور وبال عظیم ہونا قرآن و سنت میں معروف و مشہور ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت انس کی روایات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹی گواہی کو اکبر کبائر فرمایا ہے۔حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ جس شخص کے متعلق ثابت ہو جائے کہ اس نے جھوٹی شہادت دی ہے تو اس کو چالیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور اس کا منہ کالا کر کے بازار میں پھرایا جائے اور رسوا کیا جائے پھر طویل زمانے تک قید میں رکھا جائے۔ (رواہ ابن ابی شیبہ و عبدالرزاق ۔ مظہری)گیارہویں صفت: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا یعنی اگر لغو اور بیہودہ مجلسوں پر کبھی ان کا گزر اتفاقا ہو جائے تو وہ سنجیدگی اور شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی مجلسوں میں یہ لوگ جس طرح بقصد و ارادہ شریک نہیں ہوتے اسی طرح اگر کہیں اتفاقی طور پر ان کا کسی ایسی مجلس پر گزر ہو جاوے تو اس فسق و فجور اور گناہ کی مجلس پر سے شرافت کے ساتھ گزرے چلے جاتے ہیں ۔ یعنی ان کے اس فعل کو برا اور قابل نفرت جانتے ہوئے۔ نہ گناہوں میں مبتلا لوگوں کی تحقیر کرتے ہیں اور نہ خود اپنے آپ کو ان سے افضل و بہتر سمجھ کر تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا اتفاق سے ایک روز کسی بیہودہ لغو مجلس پر گزر ہوگیا تو وہاں ٹھہرے نہیں گزرے چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ ابن مسعود کریم ہوگئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں بیہودہ مجلس سے کریموں شریفوں کی طرح گزر جانے کا حکم ہے (ابن کثیر)

لیکچر نمبر ۱۸

اہل ایمان کی صفت تدبر

وَٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُواْ بِـَٔايَٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّواْ عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا

ترجمہ:اور وہ لوگ کہ جب ان کو سمجھایئے ان کے رب کی باتیں نہ پڑیں ان پر بہرے اندھے ہو کر

تفسیر:

بارہویں صفت: وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا یعنی ان مقبول بندوں کی یہ شان ہے کہ جب ان کو اللہ کی آیات اور آخرت کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان آیات کی طرف اندھے بہروں کی طرح متوجہ نہیں ہوتے بلکہ سمیع و بصیر انسان کی طرح ان میں غور کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں ۔ غافل اور مغفل لوگوں کی طرح ایسا معاملہ نہیں کرتے کہ انہوں نے سنا ہی نہیں یا دیکھا ہی نہیں ۔ اس آیت میں دو چیزیں مذکور ہیں ایک آیات الہیہ پر گر پڑنا یعنی اہمتام کے ساتھ متوجہ ہونا یہ تو امر محمود و مقصود اور بہت بڑی نیکی ہے۔ دوسرے اندھے بہروں کی طرح گرنا کہ قرآن کی آیات پر توجہ تو دیں مگر یا تو اس پر عمل کرنے میں معاملہ ایسا کریں کہ گویا انہوں نے سنا اور دیکھا ہی نہیں اور یا آیات قرآن پر عمل بھی کریں مگر ان کو اصول صحیحہ اور تفسیر صحابہ و تابعین کے خلاف اپنی رائے یا سنی سنائی باتوں کے تابع کر کے غلط عمل کریں یہ بھی ایک طرح سے اندھے بہرے ہو کر گرنے کے حکم میں ہے۔احکام دین کا صرف مطالعہ کافی نہیں بلکہ اسلاف کی تفسیر کے مطابق سمجھ کر عمل کرنا ضروری ہے:آیات مذکورہ میں جس طرح اس امر کی سخت مذمت ہے کہ آیات الہیہ کی طرف توجہ ہی نہ دیں، اندھے بہروں کا سا معاملہ کریں، اسی طرح اس کی بھی مذمت ہے کہ توجہ تو دیں اور عمل بھی کریں مگر بے سمجھے بے بصیرتی کے ساتھ اپنی رائے سے جس طرح چاہیں عمل کرنے لگیں ۔ ابن کثیر نے ابن عون سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت شعبی سے پوچھا کہ اگر میں کسی مجلس میں پہنچوں جہاں لوگ سجدہ میں پڑے ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ کیسا سجدہ ہے تو کیا میں بھی ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو جاؤں ۔ حضرت شعبی نے فرمایا نہیں ۔ مومن کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ بے سمجھے کسی کام میں لگ جائے بلکہ اس پر لازم ہے کہ بصیرت کے ساتھ عمل کرے۔ جب تم نے وہ آیت سجدہ نہیں سنی جس کی بناء پر یہ لوگ سجدہ کر رہے ہیں اور تمہیں ان کے سجدہ کی حقیقت بھی معلوم نہیں تو اس طرح ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہونا جائز نہیں ۔اس زمانے میں یہ بات تو قابل شکر ہے کہ نوجوان اور نو تعلیم یافتہ طبقہ میں قرآن پڑھنے اور اس کے سمجھنے کی طرف کچھ توجہ پیدا ہوئی ہے اور اس کے تحت وہ بطور خود قرآن کا ترجمہ یا کسی کی تفسیر دیکھ کر قرآن کو خود سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں مگر یہ کوشش بالکل بے اصول ہے۔ اس لئے قرآن کو صحیح سمجھنے کے بجائے بہت سے مغالطوں کے شکار ہو جاتے ہیں ۔ اصول کی بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی معمولی سے معمولی فن بھی نری کتاب کے مطالعہ سے کسی کو معتدبہ نہیں حاصل ہو سکتا جب تک اس کو کسی استاد سے نہ پڑھے ۔ معلوم نہیں قرآن اور علوم قرآن ہی کو کیوں ایسا سمجھ لیا گیا ہے کہ جس کا جی چاہے خود ترجمہ دیکھ کر جو چاہے اس کی مراد متعین کر لے۔ یہ بے اصول مطالعہ جس میں کسی ماہر استاد کی رہنمائی شامل نہ ہو یہ بھی آیات الہیہ پر اندھے بہرے ہو کر گرنے کے مفہوم میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم کی توفیق بخشیں ۔

لیکچر نمبر ۱۹

نیک بیوی بچوں کی خواہش

وَٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَٰجِنَا وَذُرِّيَّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَٱجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا
ترجمہ:اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا

تفسیر:تیرہویں صفت: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا، اس میں اپنی اولاد اور ازواج کے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ ان کو میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے سے مراد حضرت حسن بصری کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ ان کو اللہ کی اطاعت میں مشغول دیکھے یہی ایک انسان کے لئے آنکھوں کی اصلی ٹھنڈک ہے اور اگر اولاد و ازواج کی ظاہری صحت و عافیت اور خوش حالی بھی اس میں شامل کی جائے تو وہ بھی درست ہے۔یہاں اس دعا سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے مقبول بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اعمال صالحہ پر قناعت نہیں کر لیتے بلکہ اپنی اولاد اور بیبیوں کی بھی اصلاح اعمال و اخلاق کی فکر کرتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں ۔ اسی کوشش میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی صالحیت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے۔ اس آیت کے اگلے جملے میں دعا کا یہ جز بھی ہے وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا یعنی ہمیں متقی لوگوں کا امام اور پیشوا بنا دے، اس میں بظاہر اپنے لئے جاہ و منصب اور بڑائی حاصل کرنے کی دعا ہے جو دوسری نصوص قرآن کی رو سے ممنوع ہے جیسے قرآن کا ارشاد ہے تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ، یعنی ہم نے دار آخرت کو مخصوص کر رکھا ہے ان لوگوں کے لئے جو زمین میں اپنا علو اور بڑائی نہیں چاہتے اور نہ زمین میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں ۔ اس لئے بعض علماء نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر شخص اپنے اہل و عیال کا قدرتی طور پر امام و پیشوا ہوتا ہی ہے اس لئے اس دعا کا حاصل یہ ہوگیا کہ ہمارے اولاد اور اہل و عیال کو متقی بنا دیجئے اور جب وہ متقی ہو جاویں گے تو طبعی طور پر یہ شخص متقین کا امام و پیشوا کہلائے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں اپنی بڑائی کی دعا نہیں بلکہ اولاد و ازواج کے متقی بنانے کی دعا ہے اور حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ اس دعا میں اپنے لئے کوئی ریاست و امامت اور پیشوائی طلب کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود اس دعا کا یہ ہے کہ ہمیں ایسا بنا دیجئے کہ لوگ دین و عمل میں ہماری اقتدا کیا کریں اور ہمارے علم و عمل سے ان کو نفع پہنچے تاکہ اس کا ثواب ہمیں حاصل ہو اور حضرت مکحول شامی نے فرمایا کہ دعا کا مقصود اپنے لئے تقوی کا ایسا اعلی مقام حاصل کرنا ہے کہ دنیا کے متقی لوگوں کو بھی ہمارے عمل سے فائدہ پہنچے۔ قرطبی نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ ریاست و امامت کی طلب جو دین کے لئے اور آخرت کے فائدہ کے لئے ہو وہ مذموم نہیں بلکہ جائز ہے اور آیت لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا میں اس ریاست و اقتدار کی خواہش کی مذمت ہے جو دنیوی عزت و جاہ کے لئے ہو ۔ واللہ اعلم۔ یہاں تک عباد الرحمٰن، یعنی مومنین کاملین کی اہم صفات کا بیان پورا ہوگیا، آگے ان کی جزا اور آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔

لیکچر نمبر ۲۰
سورۃ العصر
کامیاب لوگ کون؟
وَٱلْعَصْرِ:سورۂ عصر بالاتفاق مکی سورت ہے تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہ قول ہے ۔ البتہ بعض مفسرین قتادہ

رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارہ میں مدنیہ ہونے کا قول نقل کرتے ہیں ۔ اس سورت میں زمانہ کی قسم کھا کر انسان کے خسارہ اور اس کی عاقبت کی تباہی کا بیان ہے اور بطور بنیادی اصول چار چیزوں کو معیار فرمایاگیا جو انسان کو خسران ومحرومی سے بچانے والی ہیں ،

(1) ایمان ۔ (۲) عمل صالح ۔ (۳) تواصی بالحق ۔ اور (٤) تواصوی بالصبر ۔

(2) انسان کی زندگی ایک عظیم سرمایہ ہے تو اس کے خسارہ اور کامیابی کی دونوں جانبوں کو بڑی ہی وضاحت سے بیان فرمایاگیا ۔سورۂ تکاثر میں یہ بتایا گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی اسی حرص وشوق میں گذار دیتا ہے کہ مال ودولت کی کثرت ہو، عیش وعشرت کے اسباب مہیا ہوجائیں۔ اور اسی پر وہ فخر کرتا ہے ، تو اب اس سورت میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ انسان اپنی فطری اور طبعی کمزوری سے اپنی زندگی ہی تباہ وبرباد کرتا ہے اور اس قیمتی سرمایہ حیات سے جو نفع اٹھانا چاہئے تھا وہ نہیں اٹھاتا تو اس طرح انسان اپنی زندگی برباد کرتا ہے اور اس محرومی اور خسران سے بچنے کے یہ اصول اربعہ ہیں ، ایمان وعمل صالح ، تواصی بالحق ، اور تواصی بالصبر ، گویا اصول فلاح وسعادت کے موضوع پر یہ سورت نہایت ہی جامع سورت ہے ، اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ''اگر اللہ رب العزت قرآن کریم میں اس سورت کے علاوہ اور کچھ نہ اتارتے تو تب بھی یہی ایک سورت ۔ حاشیہ (سلف صالحین سے منقول ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے تو جدا ہوتے وقت ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے ۔۱۲)تمام دنیاکے انسانوں کے لئے کافی تھی ، تو ارشاد فرمایا قسم ہے زمانہ کی جس کے انقلابات کا انسان ہمہ وقت مشاہدہ کرتا ہے عزت وذلت امیری وفقیری ، تندرستی وبیماری ، راحت وتکلیف اور کامیابی وناکامی اور غمی وخوشی ، غرض یہ تمام احوال اور زندگی میں واقع ہونے والے افعال خروشر سب ہی باتیں اس بات کی گواہ ہیں۔ بے شک انسان اپنی فطرت اور طبعی کمزوریوں کے باعث عمر عزیزگرانقدر سرمایہ ضائع کرڈالنے کی وجہ سے بڑے ہی خسارہ میں ہے ، دنیا میں ہر خسارہ کی تلافی ممکن ہے لیکن اس خسارہ کی تلافی کا کوئی امکان نہیں، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کئے اور باہم ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے ، اور ایک دوسرے کو صبر وبرداشت اور پابندی اعمال پرتاکید اور ہدایت ونصیحت کرتے رہے تو بس یہ لوگ تو خسارہ سے بچیں گے اور بلاشبہ نفع اٹھا سکیں گے اپنے سرمایہ حیات سے ۔کلام اللہ میں زمانہ کی قسم کھانا انسانی حیات کو ضیاع وخسران سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے : اس سورہ مبارکہ میں حق تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کرانسانی حیات کی تباہی وبربادی یا اس کے سود مند اور کار آمد ہونے کا ایک جامع ضابطہ اور مکمل ہدایت کے اصول بیان فرمائے ۔انسان کی زندگی بلاشبہ ایک قیمتی سرمایہ ہے اور ہر سرمایہ لگانے والا یہ سوچا کرتا ہے کہ اس کو لگائے ہوئے سرمایہ پر کیا نفع ملا یا اصل سرمایہ بھی ضائع وبرباد کیا ، اسی حقیقت کی طرف انسانی اذہان وافکار کو متوجہ کرنے لئے قرآن کریم نے یہ آیات نازل فرمائی (آیت)'' یایھاالذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ''۔ ان الفاظ سے یہ واضح کردیاگیا کہ انسان کو اپنی زندگی جو نہایت ہی گرانقدر سرمایہ ہے اس سے نفع اٹھانے کی شکل صرف یہی ہے ، (آیت)'' تؤمنون باللہ ورسولہ وتجاہدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذلکم خیرلکم ان کنتم تعلمون ''۔ تو اس چند روزہ عمر میں انسان اگر نفع اٹھانا چاہتا ہے تواس کے لئے دو باتیں ضروری ہیں ، اول یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے ، دوسرے یہ کہ بعد الحیات ایسا سلسلہ باقی چھوڑے جو باقیات

الصالحات ہوں اور حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں ورنہ عمر تو انسان کی بہت ہی مختصر ہے ، کچھ حصہ تو بچپن کا گذر جاتا ہے کچھ لہوولعب میں اور کچھ بیماریوں اور بڑھاپے میں ، بس درمیان کی ایک مختصر سی مدت ہے اس میں بھی ہزاروں موانع نفس کی خواہشات کا جال فتنوں کا سیلاب طبعی غفلتیں مادی مصروفیات غرض اس مختصر سی مدت میں کتنے لمحے ایسے نصیب ہوں گے جن سے وہ ابدی نفع حاصل کرسکے گا ، تو اسی امر کے پیش نظر بالعموم نوع انسان کو خسارہ اٹھانے والا فرماکر اس سے بچاؤ اور تحفظ کے یہ اصول اربعہ متعین فرما دیئے گئے ، ایمان عمر صالح تواصی بالحق ، اور تواصی بالصبر ، ایمان سے معرفت کا مقام حاصل ہوگا ، عمل صالح اطاعت وفرماں برداری ہے جو تہذیب نفس کا باعث ہے ، اور اس حالت میں روح کی بدن سے مفارقت موجب سعادت ہوگی ، تو اس حد تک کمال اعتقاد اور صلاح عمل کامقام تو مکمل ہوجائے گا ، مگر انسانی سعادت اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ صلاح ذات یاتہذیب نفس کے ساتھ اصلاح کا پہلو بھی جمع ہو، اور وہ اسی میں مضمر ہے کہ حق اور صداقت کا پھیلا یا جائے اس پر دوسروں کو آمادہ کیا جائے تاکہ یہ سلسلہ حسنات باقیہ کا جاری ہو، اور ظاہر ہے کہ اصلاح معاشرہ کیلئے حق وصداقت پر دوسروں کو آمادہ کرنا بنیادی امر ہے اسی کے ساتھ تو اصی بالصبر بھی لازم ہے کہ احکام الہیہ اور مکارم اخلاق کی پابندی اور اس کے مطابق زندگی بنانے کے لئے صبر واستقامت کی تلقین راہ حق میں شدائد ومصائب کے تحمل کے لئے ہمت دلانا ، اپنی ذات اور کردار کو باکمال بنانے کے بعددوسروں کو بھی باکمال بنانے اور فوز وفلاح کے بلندترین مقام تک پہنچانے کا ذریعہ ہوگا اور ادنی تامل سے یہ بات ظاہر ہوجائے گی ، زندگی کی خوبی اور زمانہ کی خیر وبرکت اسی مضمر ہے اور اگر انسانی حیات کمال کے ان دونوں پہلوؤں سے خالی ہوتو پھر دنیا آلام ومصائب اور آفات وفتن کا گہوارہ ہوگی ، اور تاریخ عالم اس امر پر گواہ ہے کہ عالم میں ہر تباہی اور بربادی ایمان وعمل صالح کے فقدان اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے ختم ہوجانے سے بھی مرتب ہوتی رہی ہے یعنی انسانوں میں جب نہ خود کوئی کمال رہے اور نہ دوسروں کی خیر کی دعوت ہوتو پھر سوائے خسران اور تباہی کے اور کیا ہوسکتا ہے اور چونکہ یہ حقائق زمانہ کی تاریخ ہیں ، اس وجہ سے زمانہ کی قسم کھاکر اس مضمون کو ارشاد فرمایا گیا ۔حاشیہ ۔ (استاد محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے اول خدا اور رسول پر ایمان لائے اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے پورا یقین رکھے ، دوسرے اس پر یقین کا اثر محض قلب ودماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں بھی ظاہر ہو اور اس کی عملی زندگی اس کے قلبی ایمان کا آئینہ ہو۔ تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح وفلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم وملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے جب دو مسلمان آپس میں ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول وفعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں ، چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ وصیت ونصیحت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی وقومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کاتحمل کرنا پڑے پورے صبر واستقامت سے تحمل کریں ہر گز قدم نیکی کے راستے سے ڈگمگانے نہ پائے جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحات دہر میں زندہ جاوید رہے گا ، اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیات صالحات

ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے (کذافی الفوائد) تو اس طرح ان اصول اربعہ کو انسانی فوز وفلاح اور فرد وملت کی کامیابی کے جامع اصول کہاجاسکتا ہے پھر ان اصول اربعہ میں قوت نظریہ اور قوت عملیہ کی تکمیل کا پہلو بھی واضح ہے اور اسی کے ساتھ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر سیاست مدنیہ کے تمام شعبوں کو اعلی واکمل طور پر پورا کرنے کا باعث ہیں۔۱۲)بعض مفسرین نے عصر سے وقت عصر مراد لیا ہے کسی نے نماز عصر لیکن جمہور کے نزدیک یہی قول راجح ہے ۔ فائدہ : قرآن کریم میں بہت سی چیزوں کی قسمیں حق تعالیٰ شانہ نے کھائی ہیں ، کہیں رات کی ، دن کی ، چاند سورج کی ، زمین وآسمان کی شہر مکہ کی ، کہیں تین اور زیتون کی اس موضوع کو پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے کہ ان قسموں سے غرض ان مخلوقات کی عظمت کو مخاطبین کے ذہنوں میں قائم کرکے اصل مدعی کو واضح اور ثابت کرنا ہوتا ہے اور اس میں غیراللہ کی قسم کی اشکا ل بھی درست نہیں کیونکہ غیر اللہ کی قسم مخلوق کی طرف سے تو شکر کا شائبہ رکھتی ہے ، خالق کا خود اپنی مخلوق کی قسم کھانا شرک نہیں بلکہ مخلوق کی عظمت ظاہر کرکے خدا خود اپنی عظمت کو ثابت فرمارہا ہے ۔ تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ العصر :

لیکچر نمبر ۲۱
تذکرہ آخرت
سورہ التکاثر
بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ
:سورۃ التکاثر: سورۃ تکاثر مکی سورت ہے ، جمہور مفسرین کا یہی قول ہے ، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ، بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک دفعہ یہ فرمایا کیوں نہیں تم لوگ ہر دن میں ہزار آیتیں پڑھ لیتے ، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر روز کوئی شخص ہزار آیتیں کس طرح پرھ سکے گا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کیا تم سورہ (آیت)’’ الھکم التکاثر ‘‘۔ نہیں پڑھ سکتے ۔اس سورت کا موضوع انسان کی اس خصلت پر تنبیہ ہے کہ وہ مال واولاد ہی کی فکر میں اپنی ساری زندگی برباد کردیتا ہے اس کی یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ آخرت کے لیے کچھ تیاری کرے اور اس کا یہ انہماک مادی زندگی اور مال ودولت جمع کرنے میں مسلسل باقی رہتا ہے ، اور مرنے کے وقت تک وہ اسی میں لگارہتا ہے حتی کہ دنیا سے گذر جاتا ہے اور قبر کے مراحل سے اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے ، اس کے بعد آدمی کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ پچھتاتا ہے کہ میں نے اپنی عمر برباد کرڈالی ۔سورت کے اختتام اس وعید وتنبیہ پر کیا گیا کہ انسان کودنیا میں جو نعمتیں اور راحتیں دی گئی ہیں، ان کا ایک حق ہے اور یقیناً اس بارہ میں اس سے باز پرس ہوگی کہ اس نے حق نعمت کیا اور کس طرح ادا کیا ۔
أَلۡهَىٰكُمُ ٱلتَّكَاثُرُ
تنبیہ وتہدید برغفلت از آخرت ووعید برحرص مال ودولت :
قال اللہ تعالیٰ : (آیت)’’ الھکم التکاثر .....الی .....یومئذ عن النعیم‘‘۔
(ربط) سورہ القارعہ میں انسان کو قیامت پر پیش آنے والے ہولناک حوادث سے آگاہ وخبردارکیاگیا تھا ، اب اس سورت میں جو اسباب غفلت ہیں ان سے باخبر کیا جارہا ہے کہ مال ودولت کی حرص انسان کو آخرت سے غافل اور دور کرنے والی چیز ہے ، اسی مال

واولاد پر تفاخر وغرور بھی کوئی اچھی بات نہیں ، انسان کو چاہئے ان فتنوں میں مبتلا ہوکر اپنے اصل مقصد یعنی فکر آخرت کو فراموش نہ کرے ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ، جبکہ مدینہ میں رہنے والے یہود اس پر تفاخر کرتے تھے کہ میرے پاس اس قدرمال ہے اور میری اولاد اتنی ہے ، اور ہرایک اسی فکر میں رہتا اور اس میں اس قدر انہماکاور غلواختیار کیا کہ اپنا دین بھی بھول گئے اور اس سلسلہ میں جو بھی کرنا پڑا ۔ حلال وحرام کی پرواہ کئے بغیر کرگذرے ، لیکن یہ روایت باعتبار اسناد محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ، اس لئے اس سورت کا مکی ہونا ہی جمہور نے اختیار کیا ہے۔ بعض مفسرین اس کا سبب نزول ، قریش کے دو قبیلوں بنوعبد مناف اور بنو سہم کے درمیان اسی نزاع اور باہمی قتال کو بتاتے ہیں جو اسی طرح باہمی تفاخر اور سرداری کے لالچ کی وجہ سے پیش آیا ، آپس میں خوب لڑے قبروں کے گننے کی نوبت آگئی ، انسان کے اس فطری عیب کو بیان کرتے ہوئے اس امر کی بھی تلقین کی گئی کہ دنیا میں اس کو نعمتیں عطا کی جاتی ہیں ان کا حق ہوتا ہے اور اگر انسان اس حق کو ادا کرنے میں کوتاہی کرے تومؤاخذہ اور سزا سے ہر گز نہ بچ سکے گا ، تو ارشاد فرمایا اے لوگو! غافل بنادیا ہے تم کو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے اور اس کی کثرت پر فخر کرنے نے اور تم اس تفاخر ۔۱حاشیہ ۱ (ان الفاظ میں اشارہ ہے کہ تکاثر کے دونوں معنی ہیں ، مال ودولت زیادہ جمع کرنے کی حرص اور مال واولاد پر تفاخر ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے ۔۱۲) وتکاثر مال سے باز نہ آؤگے یہاں تک کہ تم قبروں کو دیکھ لو تو مرنے تک اسی طرح باہمی تفاخر اور مال ودولت جمع کرنے کی حرص میں مبتلا رہوگے اور یہ غفلت کا پردہ اس وقت تک نہیں ہٹے گا جب تک کہ تم قبر میں نہیں چلے جاؤ گے ، خبردار ہر گز یہ چیز غفلت کی نہیں اور نہ قابل انکار بے شک عنقریب تم جان لوگے کہ قیامت برحق ہے ، اور دنیوی زندگی کے اعمال وافعال کا حساب وبدلہ ہے ، خبردار ہر گز نہ چیز قابل غفلت نہیں دنیا کی زندگی خالی ہے ، بے شک پھر تم ۔حاشیہ ۔۲ (ترجمہ کے درمیان اضافہ کردہ کلمات سے (آیت)'' کلا سوف تعلمون ''۔ کے تکرار کے طرف اشارہ ہے ،۱۲) پھرتم بہت جلد معلوم کرلو گے کہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک خواب ہے ۔۳حاشیہ ۳ (حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ایک روز آپکی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ سورہ (آیت)'' الھکم التکاثر ''۔ پڑھ رہے تھے اور فرمارہے تھے ۔ یقول ابن آدم مالی وھل لک من مالک الا ما اکلت فافنیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت۔کہ ابن آدم یہ کہتا ہے میرا مال میرا حالانکہ اے انسان اس میں سے تو تیرا مال صرف اتنا ہی ہے جو تو کھا کر ختم کردے یا پہن کر پرانا کردے ، یا صدقہ کرکے آگے بھیجدے ۔ ایک روایت میں ہے کہ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ توانسان سے جدا ہونے والا ہے اور آدمی دوسروں کے واسطے چھوڑ کر جانے والا ہے ، حقیقت یہ ہے کہ انسان کی طبعی حرص کی کوئی حد نہیں، اسی کا ان کلمات میں بیان ہے ۔ لوکان لابن آدم وادیان من الذھب لابتغی ثالثا ولا یملاء جوف ابن آدم الاالتراب ویتوب اللہ علی من تاب ۔ یعنی اگر ابن آدم کے لئے دو میدان ہی سونے کے بھرے ہوئے ہیں تو بھی تیسری وادی کی تلاش میں لگ جائے گا ، اور انسان کا پیٹ ہر گز کوئی چیز نہیں بھر سکتی سوائے مٹی کے اور اس کی حرص کا خاتمہ بس قبر ہی میں جا کر ہوگا ۔ الخ ۱۲) یہ حقیقت اگرچہ دنیا میں کچھ لوگوں کو معلوم ہوجاتی ہے کہ اصل عیش آخرت کا عیش ہے اور دنیا کی زندگی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں لیکن جب انسان قبر میں پہنچے گا تو پھر اصل حقیقت کھل کرنظروں کے سامنے آئے گی تو سمجھ لو خبردار ہر گز تمہیں خاک بھی علم نہیں ، بے شک اگر تم جان لو آخرت کا حال علم یقین کی صورت میں تو

یقیناً ایسی تمام غفلتوں نافرمانیوں اور مال ودولت جمع کرنے کی حرص اور تفاخر سے باز آکر اصل کام میں لگ جاؤ اور آخرت کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہوجاؤ مگر افسوس ایسا نہیں ہوتا بلکہ انسان اسی طرح غفلت وجہالت میں زندگی گذار دیتا ہے ۔ لہذا سن لو اے لوگو! ضرور بالضرور تم جہنم دیکھو گے ، یہ یہی نہیں کہ بس دور سے دیکھ لو اور وہ نظر آجائے بلکہ یقیناً تم اس دوزخ کودیکھو گے آنکھوں کے مشاہدہ اور یقین کے ساتھ جس میں کسی نوع کا شبہ باقی نہ رہے گا ۔اس میں تم اپنی غفلت اور نافرمانیوں کے باعث داخل ہوگے اور اس کا مزہ چکھوگے ۔حاشیہ (بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ اس مقام پر دوزخ کے دو مرتبہ دیکھنے کے ذکر میں اول مرتبہ دیکھنا مرنے کے بعد عالم برزخ میں ہے اور دوسری مرتبہ دیکھنے سے حشر کے روز دیکھنا مراد ہے ۔ عارفین بیان کرتے ہیں کہ علم کے تین درجے ہیں (۱) علم الیقین جیسے کسی نے دریا کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔(۲) دوسرا عین الیقین ہے جبکہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر پانی چلو میں لے لیا۔(۳) تیسرا حق الیقین ہے جبکہ دریا میں گھس کر غوطہ لگالیا ۔ اور ظاہر ہے کہ عین الیقین کا درجہ علم الیقین سے بڑھ کر ہے ، حضرت موسی علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی گمراہی اور گوسالہ پرستی پر اللہ نے مطلع کردیا تھا اور اللہ کی وحی سے جو علم حاصل ہوا وہ بلاشبہ علم یقین ہے ، لیکن جب انہوں نے واپس پہنچ کر اپنی آنکھوں سے اس مشرکانہ عمل کو دیکھا تو غصہ کی کوئی حد نہ رہی حالانکہ علم یقین تو اللہ کی وحی سے ہوچکا تھا ، آنکھوں سے دیکھا تو عین یقین کا مقام حاصل ہوا تو جو غصہ پہلے علم پر نہ تھا وہ دوسرے علم پر ہوا۔)پھر اس روز تم سے ضرور بالضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کے بارہ میں جو تم پر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کئی گئیں کہ تم نے ان کا کیا حق ادا کیا تم نے ان نعمتوں کے بعد ان کی عظمت کو پہچانا یا نہیں ۔؟ تم نے اپنے منعم کی محبت اور جذبہ اطاعت کو اپنے دل میں محسوس کیا یا نہیں ؟ تم اپنے منعم کی ناراضگی سے ڈرے یا نہیں ؟ اور ظاہر ہے کہ ان سوالات کا جواب دینا کوئی آسان کام نہیں بالخصوص اس دن اور اس عالم میں جہاں ظاہر وباطن کا کوئی فرق نہیں ہوسکتا اور زبان سے صرف وہی بات ادا ہوسکتی ہے جو حقیقت اور عین صداقت ہے پس انسان کو سوچنا چاہئے کہ ان بے پایاں نعمتوں پر جن کی شان یہ ہے (آیت)'' وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا ''۔ محاسبہ اور مؤاخذہ پر وہ کیا جواب دے گا نعمتوں کی بے شک کوئی حد وانتہاء نہیں ، ظاہری نعمتیں باطنی نعمتیں جسمانی نعمتیں روحانی نعمتیں ، پھر ہرقسم میں متعدد انواع واقسام اور مراتب غرض ایک وسیع سلسلہ اللہ رب العزت کی نعمتوں کا انسان پر ہمہ وقت قائم وجاری ہے ، حیات وتندرستی اعضاء کی خوبی اور سلامتی حسن وجمال ادراک عقل وفہم ، اسباب راحت وآسائش اور اقسام وانواع کے فواکہ اور رزق اور جملہ نعماء غرض ہر شعبہ حیات بے شمار انعامات کا مرکز نظر آتا ہے ، تو بلاشبہ ان کے حق کا سوال ہونا ہی چاہئے ، اس لئے انسان کو چاہئے کہ ان نعمتوں کی وجہ سے غافل ومغرور نہ ہو بلکہ اس کی تیاری میں لگ جائے کہ روز محشر جب ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کا سوال ہوگا تو میں کیا جواب دوں گا ۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم وہاں تشریف لے آئے اور ان کو دیکھ کر فرمایا یہاں تم لوگ کیوں بیٹھے ہو، دونوں نے عرض یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حق دے کربھیجا ہے ہمیں کسی بھی چیز نے گھر سے باہر نہیں نکالا ہے سوائے بھوک کے کہ اس بے چینی میں گھر سے باہر نکلے ہیں کہ شاید کوئی چیز کھانے کو مل جائے ، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ سن کرفرمایا خدا کی قسم مجھے بھی اس کے سوا اور کسی چیز نے باہر نہیں نکالا ، یہ تینوں حضرات ایک انصاری کے پاس پہنچے ان کی بیوی نے دیکھ کر

کہا ’’مرحبا کیسا مبارک دن ہے ایسے مبارک اور معزز مہمان میرے یہاں آگئے اور بتایا کہ انصاری تو میٹھا پانی لینے باہر گئے ہوئے ہیں ، اتنے میں وہ بھی آ گئے ، ایک بکری کا بچہ ذبحہ کرکے پکاکر لایا گیا اور کچھ چھوہارے بھی پیش کئے گئے ، ان حضرات نے شکم سیر ہوکر کھایا ، ٹھنڈا پانی پیاآنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوکر
فرمایا (آیت)’’ لتسئلن یومئذ عن النعیم ‘‘۔ بے شک اس روز تمہارے سے ان نعمتوں کے بارہ میں سوال ہوگا ، تمہیں گھر سے بھوک نے نکالا ، اور تم واپس لوٹنے سے پہلے ان نعمتوں سے بہرہ ور ہوگئے ، تو یہ کس قدر اللہ کا انعام ہے ، انسان اگر اس حقیقت کو سمجھ لے تو اس کو قدم قدم پر اللہ کی بے پایاں نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگے گا ۔

لیکچر نمبر ۲۲اور۲۳
تفسیر المعوذتین :سورۃ الفلق وسورۃ الناس
بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِترجمہ: : کلام اللہ کی یہ دو آخری سورتیں معوذتین کہلاتی ہیں دونوں مدنی سورتیں ہیں عبداللہ بن عباس اور جمہور صحابہ وائمہ مفسرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اسی کے قائل ہیں کہ یہ دونوں سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور اس وقت نازل کی گئیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر یہود نے سحر کردیاتھا اور اس جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک پر لاحق ہوگیا تھا اور اس دوران کبھی ایسابھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اپنے کسی دنیا کے کام اور معاملہ میں خیال ہوتا ہے کہ میں نے یہ کام کرلیا حالانکہ وہ نہیں کیا ہوا ہوتا کبھی کوئی چیز نہیں کی اور خیال ہوتا کہ میں نے یہ بات کرلی ہے اس کے علاج کے واسطے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں ۔امام بخاری (رح) نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت باسناد عروۃ بن الزبیر (رض) تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہ ام ال مومن ین رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جادو کردیاگیا تھا (اور جب اس کے کچھ آثار بدن مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے معمولات میں محسوس ہوئے) تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے (ایک روز) فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا میں نے اللہ رب العزت سے جو بات معلوم کرنی چاہی تھی وہ مجھے نے بتا دی ہے وہ اس طرح کہ میرے پاس دو آدمی آتے (یعنی اللہ کے فرشتے دو انسانوں کی صورت میں) ایک ان میں سے میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف تو اس نے جو سرہانے بیٹھا تھا دوسرے پوچھا کہ ان صاحب کا کیا حال ہے دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے پہلے نے پوچھا اور کس نے ان پر جادو کیا جواب دیا لبید بن الاعصم نے ، جو یہودیوں میں سے ایک شخص تھا ، منافق تھا دریافت کیا اور کس چیز میں جادو کیا گیا ؟ جواب دیا بالوں کے گچھے میں سوال کیا وہ کہاں ڈالا گیا تو بتایا بیئر ذروان میں (ایک کنوئیں کا نام ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکلوایا اس کنوئیں کا پانی دیکھا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہندی کا پانی ہے سرخ رنگ کا ،۔ابن عباسرضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ بالوں کو کسی دھاگہ میں باندھ کر اس میں گرہیں لگائی ہوئی تھیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تو ہر آیت کی تلاوت پر ایک گرہ گھل جاتی اور دونوں سورتوں کی آیات پوری ہونے اور دم کرنے پر ایسا معلوم ہوا کہ گویا کسی بندش سے کھول دیاگیا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر پھر حسب

سابق وہ نشاط کی حالت عود کر آئی اور جو گھٹن یا جسمانی تکلیف محسوس ہورہی تھی وہ ختم ہوگئی ، یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے مسند احمد بن حنبل اور دیگر کتب احادیث میں متعدد سندوں اور صحابہ کی روایات سے یہ قصہ منقول ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابن عباس (رض) اور زید بن ارقم (رض) کی روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ہیں اور ان روایات واحادیث پر کسی نے جرح نہیں کی اور اس طرح کی کیفیت یا بدنی احوال میں کسی نوع کا تغیر منصب رسالت کے منافی نہیں ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کسی وقت بیمار ہوجانا یا کسی وقت غشی کا طاری ہونا جیسے کہ مرض الوفات کے زمانہ میں ایسا ہوا یا جیسے غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چہرۂ انور پر زخم لگ جانا اور دندان مبارک کا شہید ہونا یا جس طرح کہ کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو نماز میں سہو پیش آجاتا تو یہ جملہ احوال بمقتضائے بشریت ہیں اور انکے پیش آنے سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مقام رسالت اور وحی الہی کے اعتماد میں کسی قسم کا کوئی سقم اور حرج نہیں واقع ہوسکتا اور نہ ہی احوال آپ کے منصب رسالت کے منافی ہیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جب نماز میں سہو پیش آیا تو آپ نے فرمادیا تھا ۔ انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی کہ میں بہرحال ایک بشر ہوں اور کسی وقت (حکمت الہیہ کے باعث) کوئی چیز بھول جاتا ہوں جیسے تم لوگ بھولتے ہو تو جب میں کوئی چیز بھول جاؤں تو مجھے یاد دلادو ۔تو اس قسم کے سہو یا غشی کے واقعہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وحی اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی باتوں پر (العیاذ باللہ) کیسے یقین کرلیا جائے ظاہر ہے کہ اس قسم کے احوال جسمانیہ جواز قسم مرض وحوادث طبیعیہ ہوں سے وحی الہی اور فرائض منصب رسالت کی ادائیگی میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور محض اتنی سی بات سے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کسی کام کرلینے کا خیال ہوگیا حالانکہ نہ کیا ہو قطعا وحی الہی کے اعتماد پر کوئی جرح نہیں کی جاسکتی انبیاء علیہم السلام بہرحال جنس بشر سے ہیں اور ان پر ایسے احوال وعوارض بشریہ کا طاری ہونا شریعت اور احکام دین کی حجیت وقطعیت پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہوسکتا اور یہ مسحور ہونا اس طرح کا نہ تھا جو کفار ومشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بطور طعن کہا کرتے کہ مسحو ر ومجنون ہیں کہ وحی الہی کے جوش اور جذبہ دعوت وتبلیغ میں انہماک جنون کے عنوان سے تعبیر کرتے بعض حضرات اہل علم کا اس قصہ میں یہ تاویل اختیار کرنا ظاہر احادیث کے مضمون کے صریح خلاف ہے ۔ اور اگر بالفرض والتقدیر کسی سہو یا سحر کونقصان تصور کیا جائے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ اللہ کی وحی سے اس سہو یا سحر کو دور نہ کیا گیا ہو جب کہ ہر سہو پر اور اس جادو کے قصہ میں وہ اثرات قدرت خداوندی نے زائل کردئے تو پھر کیا اشکال ہوسکتا ہے قرآن کریم کی یہ آیت اس حقیقت اور حکمت الہیہ کو ظاہر کررہی ہے (آیت)''سنقرئک فلا تنسی الا ما شآء اللہ ''۔ اس لئے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اگر کسی وقت کوئی مرض یا کسی لمحہ کوئی سہو یا غشی پیغمبر پر طاری ہوگئی تو اس سے فرائض نبوت میں کوئی خلال نہیں واقع ہوسکتا ۔ موذتین کے بارہ میں عبداللہ بن مسعود (رض) کا موقف : موذتین یعنی سورہ فلق اور سورۃ الناس قرآن کریم کی دو سورتیں ہیں اور اس پر تمام صحابہ اورائمہ مفسرین کا اتفاق ہے اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک تواتر کے ساتھ ان دونوں کا قرآن کی سورتیں پر ہونا ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے ان دونوں کا فرض نمازوں میں پڑھنے کا بھی ثبوت ہے نیز حضرت عثمان غنی (رض) کے مصحف ''الامام '' میں بھی ان کا ہونا تمام روایات اور تاریخی نقول سے ثابت ہوچکا جس میں کسی بھی تردود کی گنجائش نہیں۔ عقبہ بن عامر (رض) کی روایت میں

ہے کہ میں ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سواری کی زمام پکڑے اسکو پکڑے لے کر چل رہا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی انتہائی شفقت کے باعث مجھ کو کہا اے عقبہ کیا تو سوا رنہیں ہوگا اس ڈرکی وجہ سے کہ آپ کے فرمان کی تعمیل نہ کرنا کہیں معصیت نہ ہوجائے میں سواری پر سوار ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نیچے اتر کر پیدل چلنے لگے تھوڑی دیر تعمیل حکم کی خاطر میں بیٹھ کر پھر نیچے اترآیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم (میرے عرض کرنے پر) سوار ہوگئے پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عقبہ کیا میں تجھ کو ایسی دو بہترین سورتیں نہ سکھا دوں جو قرآن کریم میں پڑھی جاتی ہوں میں نے عر ض کیا بیشک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پرآپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھ کو یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اس کے بعد نماز کی اقامت ہوئی تو آپ نے نماز پڑھائی اور نماز کی دونوں رکعتوں میں ان دونوں سورتوں کو تلاوت فرمایا اسکے بعد فرمایا (جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میرے سے سامنے گذر رہے تھے) اے عقبہ کیسا پایا تو نے ان دو سورتوں کو یعنی تو نے دیکھ لیا کہ یہ دو سورتیں ایسی ہیں کہ نماز میں انکی تلاوت کی گئی (ایک روایت میں ہے کہ یہ نماز فجر تھی) اور آپ نے فرمایا ان سورتوں کو پڑھا کر و جب بھی تم سویا کرو اور جب بھی نیند سے بیدار ہوا کرو ۔حضرت عثمان غنی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مصحف قرآنی کے جو نسخے تمام بلاد اسلامیہ کو بھیجے تھے ان سب میں یہ موجود تھیں اور اقطار عالم میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تابعین (رح) اور پوری امت انکی تلاوت کرتی رہی اور تواتر سے یہ امر ثابت ہے کہ اس بارہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا صرف عبداللہ بن مسعود (رض) سے اختلاف نقل کیا گیا کہ انہوں نے اپنے مصحف (نسخہ قرآن) میں معوذتین کو نہیں لکھا تھا (جس سے یہ بات سمجھی گئی کہ وہ ان کے قرآن ہونے کے قائل نہیں ہیں) قطعی طور پر تو یہ متعین ومعلوم نہیں ہوسکا کہ عبداللہ بن مسعود (رض) کی کیا مراد تھی اور کس وجہ سے انہوں نے اپنے مصحف میں انکو نہیں لکھا تھا یا ان کو کیا خیال یا شبہ پیش آیا کہ اس کے باعث یہ صورت واقع ہوئی ۔بعض حضرات مفسرین جیسے صاحب روح المعانی (رح) کا اس وجہ سے کہ ابن مسعود (رض) کے مصحف میں معوذتین لکھی ہوئی نہیں تھیں یہ سمجھنا ''کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہان کے قرآن ہونے کے منکر تھے '' صحیح نہیں ہے قاضی ابوبکر باقلانی (رح) نے تصریح کی ہے۔لم ینکر ابن مسعود کونھما من القرآن وانما انکر اثباتھما فی المصحف فانہ کان یری ان لایکتب فی المصحف شیء الا ان کان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اذن فی کتابتہ وکانہ لم یبلغہ الاذن ۔ کہ ابن مسعود (رض) انکے قرآن میں سے ہونے کے منکر نہیں تھے بلکہ مصحف قرآنی میں لکھنے کے منکر تھے اور ان کا خیال تھا کہ مصحف میں صرف ان ہی آیات کو لکھا جائے جن کی کتابت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اجزات دی ہو یا قلانی کہتے ہیں گویا ابن مسعود (رض) کو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اجازت کا علم نہیں ہوا تھا ۔حافظ (رح) نے فتح الباری ج ۸ میں بعض ائمہ سے یہ نقل کیا کہ ابن مسعود (رض) کو انکے قرآن ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ انکی صفت میں اختلاف تھا یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ تلاوت کے لئے نازل نہیں ہوئیں بلکہ تعوذ اور دم کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں تاکہ بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہنے کیلئے پڑھ جائے۔ لیکن روایات ونقول اور صحابہ کے تعامل سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) کی یہ اپنی ایک رائے تھی جس کے ساتھ حضرات صحابہ کے تعامل سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) کی یہ اپنی ایک رائے تھی جس کے ساتھ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے کسی نے بھی اتفاق نہیں کیا بعض حضرات سلف کا خیال ہے کہ ابن

مسعود (رض) نے اپنے مصحف میں ان سورتوں کو لکھا تھا جن کو یاد کرنے اور حفظ کرنے یا محفوظ رکھنے کی ضرورت ہو اور چونکہ یہ سورتیں ایسی تھیں کہ انکے لئے اس امر کی حاجت نہ تھی اور انکا حفظ ایسا قطعی تھا کہ اس میں کبھی بھی شبہ نہیں ہوسکتا تھا تو اس وجہ سے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا جیسا کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ انکے مصحف میں سورۃ الحمد بھی لکھی ہوئی نہیں تھی حالانکہ سورہ فاتحہ کا قرآن ہونا ایسا قطعی اور یقینی امر ہے کہ اس میں کسی کو بھی تردد نہیں ہو سکتا ۔ زربن جیش (رض) سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا ۔ابن قتیبہ (رح) کا قول ہے کہ ابن مسعود (رض) انکو نماز میں تلاوت کے لئے نہیں بلکہ صرف تعوذ یعنی سحر اور دیگر مہلکات سے حفاظت کیلئے بطور تعویذ سمجھتے تھے علامہ ابوبکر بن الانباری (رح) نے اس بات پر تنقید کی اور فرمایا ابن قتیبہ (رح) کا یہ قول درست نہیں انکا کلام اللہ ہونا اور قرآن کریم کی سورتیں ہونا تمام دنیا کے نزدیک مسلم ہے اور قیامت تک اس میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا اور ان کی قرآنیت تواتر سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث سے انکا نماز میں پڑھنا بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ثابت ہوچکا ہے ۔حافظ ابن کثیر (رح) کی رائے یہ ہے کہ ابتداء میں کسی وجہ سے ابن مسعود (رض) نے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا لیکن بعد میں اپنے قول سے رجوع کرکے جمہور صحابہ (رض) کا قول اختیار کیا ہوسکتا ہے انہوں نے اس بارہ میں کچھ نہ سنا ہو لیکن جب دیکھا کہ قرآن کریم کے وہ صحیفے جو تمام بلاد اسلامیہ میں بھیجے گئے ان سب میں معوذتین مکتوب ہیں اور جملہ صحابہ انکو پڑھتے ہیں اور کسی نے بھی اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کیا تو پھر اپنے قول سے رجوع کیا ۔علامہ آلوسی (رض) صاحب تفسیر ورح المعانی اور حافظ عینی (رح) کا بھی یہی خیال ہے حافظ عماد الدین ابن کثیر (رح) نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے جن میں معوذتین کا نماز میں پڑھنا ثابت ہے حضرات اہل علم ان حوالوں کی مراجعت فرمالیں بالخصوص جب کہ یہ ثابت ہے کہ زید بن ثابت (رض) جو کاتب وحی تھے اور عرضہ اخیرہ کے ۔۱حاشیہ ۔۱ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات مبارکہ آخری سال رمضان میں جب جبریل امین علیہ السلام نے دو مرتبہ آپ کے قرآن کریم کا دورہ کیا تھا تو اسی کے مطابق زید بن ثابت (رض) کا تب وحی کا مرتب کردہ مصحف تھا ۔۱۲) مطابق انہوں نے جو مصحف مرتب کیا تھا اس میں معوذتین موجود تھیں اور اس مصحف کوتمام صحابہ بالاتفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قرأت وتلاوت کے مطابق تسلیم کرتے تھے اور اسی کے مطابق جامع القرآن حضرت عثمان (رض) کا مصحف تھا ۔

لیکچر نمبر ۲۴

امت محمدیہ بہترین امت اور خیر امت اور اس کے فرائض

سورہ ال عمران آیت نمبر ۱۱۰

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ ۗ وَلَوْ ءَامَنَ أَهْلُ ٱلْكِتَٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ مِّنْهُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ

ترجمہ:بیان خیریت امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ والف۔ الف تحیۃ۔قال تعالی۔ کنتم خیر امۃ------ الی----- یظلمون۔

آیت۔ربط) گزشتہ آیات میں مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اسی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے یہ امت تمام امتوں سے بہتر ہے اور قوت علمیہ اور قوت عملیہ میں کامل اور مکمل ہے چنانچہ تامرون

بالمعروف اور تنھون عن المنکر میں قوت عملیہ میں کمال کی طرف اشارہ ہے اور تومنون باللہ میں قوت نظریہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا ہاتھ جماعت کے سر پر ہے اور حدیث میں ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی اسی وجہ سے تمام امت کا اتفاق ہے کہ اس امت کے علماء کا اجماع حجت ہے۔ اللہ تعالی نے اس امت کے اجماع کو عصمت عن الخطا کادرجہ عطا فرمایا ہے علماء ربانیین فردا فردا تو معصوم نہیں مگر ان ک اجماع معصوم عن الخطاء ہے ہر عالم ربانی علم میں انبیاء کرام کا وارث ہے مگر عصمت نبوی کی وراثت اجماع کو ملی افراد کواس میں میراث کا حصہ نہیں ملا یایوں کہو کہ شروع آل عمران میں نصرانیت کا ابطال اور اسلام کی حقانیت بیان فرمائی اور پھر واذ اخذاللہ میثاق النبین تا حکمۃ۔ آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امام الانبیاء اور سید الرسل ہونا بیان کیا اور پھر ان اول بیت وضع الخ۔ آیت۔ میں اس امت کے قبلہ کی افضلیت اور برتری بیان کی گئی اور پھر واعتصمو بحبل اللہ جمیعا میں اس امت کی کتاب اور شریعت کی برتری اور مضبوطی بیان کی گئی کہ وہ اللہ کی غایت درجہ مضبوط رسی ہے جس میں ٹوٹنے کا امکان نہیں البتہ غفلت کی بناء پر ہاتھ سے چھوٹ جانے کا امکان ہے اب اخیر میں اس امت مرحومہ کی افضلیت اور برتری کا اعلان کیا جارہا ہے کہ یہ امت تمام امتوں سیافضل اور اکمل ہے اور اگر اہل کتاب اس آخری کتاب اور آخری شریعت پر ایمان لے آئیں تو وہ بھی خیر الامم میں شامل ہوسکتے ہیں مگر افسوس کہ ان میں سے سوائے چند افراد کے اکثر نافرمان ہیں صرف عبدلالہ بن سلام اور نجاشی شاہ حبشہ جیسے سلیم الطبع چند افراد نے حق کو قبول کیا اور خیر الامم میں داخل ہوئے اور باقی اپنے تمرد اور عناد پر قائم رہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانوں تم سب امتوں سے بہترین ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے عدم سے وجود میں نکالی گئی ہے اور تمہارے بہترین امت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تم نیک کاموں کی ہدایت کرتے ہو جو شریعت کے نزدیک جائے پہچانے اور مستحسن ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہو جو شریعت میں منکر یعنی ناپسندیدہ ہیں اور شریعت ان سے بے گانہ ہے اور تم اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتے ہو یعنی امت محمدیہ کو تمام امتوں پر جو شرف اور فضیلت حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امت اس صفت میں تمام امتوں سے ممتاز ہے توحدی اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم اور فواحش اور منکرات سے زجر وتوبیخ کا جو اہتمام بلیغ اس امت میں ہوا امم سابقہ میں اس کی نظیر تو کیا اس کا عشر عشیر بھی نہیں کفر کافتنہ دفع کرنے کے لیے اس امت میں جہاد شروع ہوا اور فواحش اور منکرات کے سدباب کے لیے حدود اور تعزیرات جاری کی گئیں اور اسی طرح ایمان باللہ میں بھی یہ امت تمام امتوں سے ممتاز ہے کہ خدا کی ذات وصفات کے اعتقاد کے بارہ میں غایت درجہ متوسط اور معتدل ہے اس امت کا ایمان تشبیہ وتمثیل کے فرث (گوبر) اور دم تعطیل کے درمیان۔ لبن خالص کی طرح ہے یہود ونصاری کا ایمان دنیا کے سامنے ہے کہ حضرت عیسی اور حضر ت عزیر کو خدا بیٹا مانتے ہیں مخلوق کی صفات خالق کے لیے ثابت کرتے ہیں ، سبحانہ ان یکون لہ ولد اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اس نبی برحق کی تصدیق کرتے جس کو توریت اور انجیل میں لکھا ہواپاتے ہیں تو بلاشبہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اس لیے کہ مسلمان ہوجانے سے وہ بھی خیر الامم یعنی بہترین امت ہونے میں مسلمانوں کے شریک ہوجاتے اور من جانب اللہ ان کو دھرا اجر ملتا۔ قال تعالی ، اولئک یوتون اجرھم مرتین۔ آیت۔ لیکن ان کی توکیفیت یہہے کہ ان میں سے کچھ لوگ تو ایمان دار ہیں اور اکثر ان میں بدکار ہیں اور اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور ہر وقت مسلمانوں کو ضرور پہنچانے کی فکر میں ہیں اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کی تسلی کے لیے ایک پیش گوئی فرماتے ہیں ۔ اے مسلمانو۔ یہ اہل کتاب تمہیں سوائے زبانی ایذاء رسانی کے اور کسی قسم کا

تم کو ہرگز گزند نہیں پہنچا سکیں گے کتنی بڑی کوششیں کرلیں مگر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اگر وہ شکست کے بعد کہیں سے بھیان کی مدد نہ ہوگی یعنی مقابلہ میں ان کو کبھی فتح نہ ہوگی اور مسلمانوں میں لڑائی ہوئی یہود پشت پھیر کر بھاگے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کبھی ان کو فتح نصیب نہیں ہوئی جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان پر ذلت اور خواری کی مہر لگا دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے ذلیل وخوار ہوں گے مگر اللہ کے عہد وپیمان یا لوگوں کے عہد وپیمان کے ذریعے ذلت وخوارہ سے کچھ پناہ مل سکے گی لوگوں کے عہد وپیمان سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ یا صلح کریں یا مسلمانوں سے امن طلب کریں یا مسلمانوں کی رعیت بن کررہیں اور جزیہ قبول کریں تو اس وقت ان کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوگا بلکہ رعایا اور ذمی ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو مسلمانوں کے ساتھ ہے۔فائدہ:یہ معنی تو حبل من الناس کے ہوئے اور حبل من اللہ کے معنی بعض علماء کے نزدیک تو وہی ہیں جو حبل من الناس کے معنی بیان کیے گئے یعنی حبل من اللہ اور حبل من الناس دونوں سے ایک ہی شے مراد ہے اور یہ عطف تفسیری ہے اور بعض علماء کے نزدیک حبل من اللہ اور حبل من الناس سے علیحدہ علیحدہ شی مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ حبل من اللہ سے اسلام یعنی مسلمان ہوجانا مراد ہے یعنی ذلت سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اسلام لے آئیں اور اسلام لا کر اس ذلت سے بچ جائیں اگرچہ وہ اسلام ظاہری طور پر ہو اور دوسرا طریقہ ذلت سے نکلنے کایہ ہے کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کرکے اپنی جان ومال کی حفاظت کرلیں اور بعض علماء کے نزدیک حبل من اللہ سے یہ مراد ہے کہ وہ کتابی راہب ہوکہ گر جائیں گوشہ نشین ہو اور اپنی عبادت میں مشغول ہو اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں نہ تو شریک ہوں اور نہ اعداء اسلام کو مشورہ دینا ہو تو ایسے کتابی کے متعلق اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہے کہ جہاد میں ایسے کتابی کو قتل نہ کریں جو راہب ہو اور اپنی عبادت میں مشغول ہو اور علی ہذااہل کتاب کے بچوں اور عورتوں کے متعلق بھی اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسلمان جہاد میں کافروں کے بچوں اور عورتوں کوہرگز نہ قتل کریں صرف ان لوگوں کو قتل کریں جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں اور یہ عہد وپیمان ان کو عنداللہ نافع اور مفید نہ ہوگا اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کے غصہ کے مستحق ہیں اور محتاجی اور خواری ان کو لازم کردی گئی اور یہ لوگ خدا کے غضب اور ذلت ومسکنت کے مورد اس لیے بنے کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور جان بوجھ کر نبیوں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے اور اس کفر بایات اللہ اور قتل انبیاء کا باعث یہ ہوا کہ یہ لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے رہے اور حد سے آگے بڑھتے رہے جس کانتیجہ یہ ہوا کہ دل سخت ہوگئے اور گناہوں کی کثرت سے نور ایمان بالکل جاتا رہا اس لیے اللہ کی آیتوں کے کفر اور پیغمبروں کے قتل پر آمادہ ہوگئے گناہوں پر اصرار اور نافرمانی میں حد سے بڑھ جانا انسان کوکفر تک پہنچا دیتا ہے اور اس قسم کے لوگ اہل کتاب میں اگرچہ کثیر ہیں مگر اہل کتاب برابر اور یکساں نہیں ان بروں میں سے کچھ اچھے بھی ہیں ۔اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق پر قائم ہے جو اوقات شب میں اللہ کی آیتیں نماز پڑھتے رہتے ہیں اور وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور دیر تک جبین نیاز زمین پر رکھتے ہیں تاکہ اللہ کا قرب حاصل ہو اور قیام میں کلام خداوندی کے پڑھنے سے مناجات کی لذت حاصل ہو غرض یہ کہ ان کی نماز طول قیام اور طول سجود دونوں کی جامع ہوتی ہے اور اوقات شب میں عبادت کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ یہ لوگ اللہ سے غافل نہیں جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتے ہیں اللہ کی توحید اور تفرید ان کے دلوں میں راسخ ہے اور نیز روز آخرت پر یقین رکھتے آخرت کا تصور ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا اس لیے وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتے اور پھر یہ کہ ان کے انوار

برکات ان کی ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ دوسروں کو بھی اچھے کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے ممانعت کرتے ہیں یعنی جس طرح وہ خود راہ راست پر ہیں اس طرح یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی راہ راست پر آجائیں اور نہا یت شوق ورغبت کے ساتھ نیک کاموں میں دوڑتے ہیں تاکہ سب سے سبقت لے جائیں اور یہی اور ایسے ہی لوگ نیک بختوں میں سے ہیں جو خدا کے غضب اور ذلت اور مسکنت سے محفوظ ہیں یہ آیتیں عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارہ میں نازل ہوئیں اور ایسے لوگ جو بھی نیکی کریں گے خواہ وہ دوڑ کرکریں یا آہستہ رفتار سے سوہرگز اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ ایسے اہل کتاب کو دگنا اجر ملے گا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ۔ اولئک یوتون اجرھم مرتین۔ آیت۔ اور احادیث نبویہ میں صراحتا آیا ہے کہ جو اہل کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے ان کو دو اجر ملیں گے اور اللہ تعالی پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے پس جب پرہیزگار اس کی رحمت اور عنایت سے محروم نہیں تو خیرات میں مسارعت کرنے والے کیسے اس کی عنایات بے غایات سے محروم رہ سکتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال اور اولاد پر نظر کرکے یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو اللہ کے محبوب ہیں جن پر یہ انعامات ہوئے اور یہ فقراء مسلمین اللہ کے معتوب ہیں اس لیے کہ قیامت کے دن اللہ کے قہر اور غضب کے دفع کرنے میں ان کے مال اور اولاد ذرہ برابر کام نہ آئیں گے غضب خدا وندی سے انسان کو بچا نے والا صرف ایمان اور تقوی ہے اور مالی صدقہ وخیرات ، غضب خداوندی کو جب ہی بجھاتا ہے جب وہ صدقہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم آخر پر مبنی ہو اولاد بھی آخر ت میں جب ہی کام آتی ہے کہ جب وہ خود بھی مومن ہو اور اپنے مسلمان ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت کرے کافر ماں باپ کے لیے مسلمان اولاد کی دعا مغفرت بھی بے کار ہے اور ایسے لوگوں جنہوں نے کفر کیا اور کفر پر مرے یہ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ ہمیش اس میں رہیں گے یہ لوگ کبھی دوزخ سے نہیں نکلیں گے البتہ جو گناہ گار مسلمان گناہوں سے پاک کرنے کی غرض سے کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں ڈالیں جائیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے کچھ عرصہ کے بعد نکال لیے جائیں گے۔فائدہ۔اللہ نے ان آیات میں امت قائمہ کے جو اوصاف بیان فرمائے وہ اوصاف یہود کے بالکل متضاد اور مخالف ہیں اس لیے کہ یہود حق سے منحرف تھے رات ودن غفلت میں مست تھے ، شرک اور الحاد میں مبتلا تھے یوم آخرت پر بھی ان کا ایمان گڑبڑ تھا بری باتوں کا حکم کرتے تھے اور اچھی باتوں سے روکتے تھے اور بجائے خیرات اور حسنات کے شرور اور معاصی کی طرف سبقت کرنے والے تھے اور بجائے صالحین کے طالحین میں سے تھے۔کفار کے نفقات اور صدقات کی مثال۔اوپر کی آیات میں اللہ نے یہ بیان کیا کہ قیامت کے دن کافروں کے مال ان کے کچھ کام نہ آئیں گے اس پر کسی کے دل میں یہ شبہ گذر سکتا تھا کہ بعض اوقات کافر اپنے مال سے نیک کاموں میں محتاجوں اور یتیموں اور مظلوموں کی مدد کرتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں پل اور سرائے کنواں بنواتے ہیں تو کیا اس قسم کے خرچوں سے کافروں کو قیامت کے دن کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا چنانچہ فرماتے ہیں کہ مثال اس چیز کی جس کو یہ کفار دنی اکی اس فانی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی ہے جس میں پالا یعنی ٹھہر ہو وہ جالگی ہو ان لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو پس وہ اس کھیتی کا تباہ کرگئی ہواسی طرح کافروں کے صدقات اور خیرات بمنزلہ باغ یا کھیت کے ہیں اور ان کا کفر بمنزلہ پالے کے ہیے پس ج طرح پالا کھیتی کو تباہ کردیتا ہے اسی طرح ان کا کفر ان کے خیرات وصدقات کو برباد اور تباہ کرنے والا ہے قیامت کے دن ان کو اس کھیتی سے کچھ بھی پلے نہ پڑے گا اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں کہ کفر اور شرک کے پالے سے اپنی آخرت کی کھیتی خراب کی اور

ضرورت کے وقت کف افسوس ملتے رہ گئے۔فائدہ۔جاننا چاہیے کہ پالے سے ظاہ را ظالم اور غیرظالم سب ہی کی کھیتی تباہ اور برباد ہوتی ہے لیکن آیت میں جو مثال ذکر کی گئی اس میں حرث قوم ظلمو۔ آیت۔ یعنی ظلم کی قید اس لیے بڑھائی کہ پالے سے دراصل کافر قوم ہ کی کھیتی تباہ اور برباد ہوتی ہے اور کامل نقصان کا فر کا ہی ہوتا ہے بخلاف مسلمان کے اگر اس کی کھیتی پالے سے تباہ ہوتی ہے تو اس کو اس مصیبت پر او پھر اس مصیبت کے صبر پر اجر ملتا ہے اور اللہ کی طرف سے مومن کو جو اجرملے گا وہ اس کھیتی سے لاکھوں درجے افضل ہوگا پس حقیقی اور کامل نقصان وہ ہے کہ جس کا کوئی بدل اور عوض نہ ہو اور ظاہر ہے کہ مسلمان کسی مصیبت میں اجر اور ثواب سے محروم نہیں رہتا خلاصہ یہ کہ اللہ نے جو ان کے صدقات وخیرات کو قبول نہیں کیا وہ اللہ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں بلکہ انہوں نے کود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ اپنی صدقات وغیرات کے ساتھ کفر وشرک کو ملالیا جس نے پالے کی طرح ان کی تمام کھیتی کو تباہ وبرباد کرڈالا اللہ نے پہلے ہی بتلادیا تھا کہ کفر اور شرک سے تمام اعمال حبط ہوجاتے ہیں۔

لیکچر نمبر ۲۵
سورہ توبہ آیت نمبر ٦٧اور٦٨
منافقین کی نشانیاں
ٱلْمُنَٰفِقُونَ وَٱلْمُنَٰفِقَٰتُ بَعْضُهُم مِّنۢ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا۟ ٱللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ
:منافقین اور منافقات کا اعمال وصفات میں تشابہ اور تماثل مع بیان وعید وتہدید
قال اللہ تعالیٰ ۔ المنفقون والمنفقت بعضھم من بعض۔۔ الی۔۔ ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔
(ربط) : گزشتہ آیات میں منافقین کے اعمال فاسدہ اور افعال خبیثہ کو بیان کیا اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ تمام منافقین اور منافقات ان قبائح اور فضائح میں مرد اور عورت سب ایک دوسرے کے مماثل اور متشابہ ہیں اور اسلام کی عداوت میں سب ایک ہیں۔ مرد اور عورت سب کا ایک ہی مذہب ہے جو بری خصلتیں ان کے مردوں میں ہیں وہی ان کی عورتوں میں بھی ہیں جس طرح مرد خبیث ہیں اسی طرح عورتیں بھی خبیث ہیں۔ سب کے دل ملتے جلتے ہیں پھر ان منافقوں کو متنبہ کرنے کے لیے گزشتہ امتوں کے کافروں کے حالات یاد دلاتے ہیں کہ دیکھو وہ مال و دولت اور قوت وطاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھے مگر جب انہوں نے ہمارے احکام سے سرکشی کی اور ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی تو انہیں اس کا کیا نتیجہ ملا تمہیں معلوم نہین کہ قوم عاد اور ثمود کا اور ان بستیوں کا جب الٹی گئیں اس سرکشی اور نافرمانی کی بدولت کیا انجام ہوا ذرا سوچو اور عبرت پکڑو آخر تم خدائی قہر سے اس قدر بے فکر کیوں بیٹھے ہو ۔ربط دیگر: گزشتہ آیات میں ان منافقین کا ذکر تھا۔ جن کا نفاق غزوہ تبوک سے متعلق اب ان آیات میں عام منافقین کے حال کا بیان ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت بد باطنی اور اخلاق ذمیمہ میں سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں گویا کہ مرد اور عورت سب ایک ہی شیئ کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں منافق مرد اور منافق عورتیں بعض بعض کا جزء ہیں یعنی سب ہم جن سے ہیں اور نفاق اور بد باطنی میں ایکد وسرے کے مشابہ ہیں اور سب کی مت ایک ایک ہے مرد اور عورت سب اسلام اور سملمانوں کی عداوت اور مخالفت پر طبعی طور پر متفق ہیں ان منافقین اور منافقات کا حال یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کو بری بات کا حکم دیتے ہیں یعنی کفر اور شرک اور مخالفت اسلام کی تلقین کرتے ہیں اور معقول اور پسندیدہ کام سے منع کرتے ہیں یعنی ایمان واسلام اور

اتباع رسول سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں عاجز اور محتاجوں کی مدد سے اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں وہ اللہ کو بھول گئے فنسیھم یعنی ان لوگوں نے اللہ کے حکم کو فراموش کیا اللہ نے ان کو اپنے فضل ورحمت سے فراموش اور نظر انداز کردیا ۔ تحقیق جنس منافقین خواہ وہ مرد ہوں یا عورت فاسق کامل یہی لوگ ہیں ہر ایک گناہگار اور ہر کافر فاسق ہے مگر منافقوں کا فسق سب سے بڑھ کر ہے یہ لوگ اگرچہ خدا کو فراموش کر چکے ہیں مگر خدا تعالیٰ ان کے قہر اور انتقام سے فراموش اور خاموش نہیں ۔وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے مرد ہوں یا عورتدوزخ کی آگ کا وہ ہمیشہ اسی آگ میں رہیں وہ ان کو کافی ہے یعنی ان کے کفر ونفاق کے کافی سزا ہے اور مزید برآں اللہ نے ان پر خاص لعنت کی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے جو کبھی ان سے جدا نہ ہوگا ۔اے منافقوا! کفر اور نفاق اور حق کی عداوت میں تمہاری حالت ان لوگوں کے مانند ہے جو تم سے پہلے تھے جیسے وہ رسول کی نافرمانی کر کے دوزخی ہوئے ویسے ہی تم بھی رسول کی نافرمانی کر کے دوزخی بنے وہ پچھلے لوگ بدنی قوت اور مال ولاد میں تم سے بہت زیادہ تھے سو انہوں نے اپنے دنیوی حصہ یعنی مال واولاد سے فائدہ اٹھایا یعنی دنیاوی لذتوں اور شہوتوں میں مبتلا رہے اور آخرت کی کچھ پروانہ کی پس اب ان کے تم نے بھی اپنے دنیاوی حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگ دنیا سے فائدہ اٹھا گئے تھے تم اس بارہ میں بالکل ان کے مانند ہو اور ان کے نقش قدم پر ہو اور تم بھی بری باتوں میں اسی طرح گھس گئے ہو جس طرح وہ گھسے تھے ۔ یعنی جس طرح انہوں نے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا تھا ویسا ہی تم نے بھی کیا ایسے ہی کافروں اور منافقوں کے اعمال حسنہ دنیا اور آخرت میں نیست اور نابود اور تباہ اور برباد ہوئے جن کے اعمال خیر پر بھی دنیا وآخرت میں کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا ۔ اور ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں خسارہ اور نقصان میں ہیں۔ جب کھیتی کاٹنے کا وقت آیا تو ساری کھیتی جل کر تباہ ہوگئی یہی حال ان لوگوں کا ہے ان لوگوں کو چاہیے کہ پچھلوں کے حال اور مآل کا خیال کریں۔ کیا ان منافقوں اور کافروں کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گذرے ہیں اور عذاب ووبال آنے پہلے آنے سے پہلے دنیاوی لذتوں میں غرق تھے اور آخرت سے بے فکر تھے۔ ان کو چاہئے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں مثلا قوم نوح علیہ السلام جو طوفان میں غرق ہوئی اور قوم عاد جو آندھی سے ہلاک ہوئی اور قوم ثمود جو زلزلہ سے ہلاک ہوئی اور قوم ابراہیم علیہ السلام جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوئی اور نمرود مردود مچھر کے ڈنگ مارنے سے ہلاک ہو ا اور اہل مدین جو شعیب علیہ السلام کی قوم تھی وہ یوم ظلہ کے عذاب سے ہلاک ہوئے اور الٹی ہوئی بستیوں والے یعنی قوم لوط کی بستیاں وہ بھی ہلاک ہوئے ان سب کے پاس ان کے رسول اور پیغمبر اپنی نبوت ورسالت کے روشن دلائل اور صاف صاف نشانیاں لے کر آئے اور عذاب خداوندی سے ان کو ڈرایا مگر ان ظالموں نے ایک نہ سنی بالآخرت تباہ اور برباد ہوئے سو اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے اور بلا جرم کے ان پر عذاب نازل کردے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ ان کی عقوبت میں جلدی نہیں کی پیغمبر بھیج کر ان پر اپنی حجت پوری کردی جب کسی طرح ہمارے پیغمبروں کی تکذیب اور ان کے استہزاء اور تمسخر سے باز نہ آئے تب ان پر عذاب اتارا ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا خود انہی لوگوں نے تمرد اور سرکشی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا پس اس زمانہ کے کفار اور منافقین کو بھی ان سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ انبیاء کرام کی تکذیب کا انجام ایسا ہوتا ہے تم بھی ویسے ہی کرتوت کر رہے ہو تم بھی اسی انجام بد کے مستحق ہو۔

لیکچر نمبر ٢٦

مسلمانوں کی خاص عبادات

وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

ترجمہ:اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں سکھلاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بری بات سے اور قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم پر چلتے ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے وہی لوگ ہیں جن پر رحم کرے گا اللہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا،

:**خلاصہ تفسیر** اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا) جسکی تفصیل وَعَدَ اللّٰہُ میں عنقریب آتی ہے) بلا شبہ اللہ تعالیٰ قادر (مطلق) ہے (جزائے تام دے سکتا ہے) حکمت والا ہے (جزائے مناسب دیتا ہے، اب اس رحمت کا بیان ہوتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا (وعدہ کر رکھا ہے) جو کہ ان ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گے اور (ان سب نعمتوں کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی رضا مندی (جو اہل جنت سے ہمیشہ ہمیشہ رہے گی، ان) سب (نعمتوں) سے بڑی چیز ہے یہ (جزائے مذکورہ) بڑی کامیابی ہے اے نبی (ﷺ) کفار (سے بالسنان) اور منافقین سے (باللسان) جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے (دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں) اور (آخرت میں) انکا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے ۔معارف ومسائلسابقہ آیات میں منافقین کے حالات، ان کی سازشوں اور ایذاؤں اور ان کے عذاب کا بیان تھا، قرآنی اسلوب کے مطابق مناسب تھا کہ اس جگہ مومنین مخلصین کے حالات اور ان کے ثواب اور درجات کا بھی بیان آجائے، آیات مذکورہ میں اسی کا بیان ہے ۔یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ اس موقع پر منافقین اور مومنین مخلصین کے حالات کا تقابل ذکر کیا گیا مگر ایک جگہ منافقین کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ، اور اس کے مقابل مومنین کا ذکر آیا تو اس میں فرمایا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ، اس میں اشارہ ہے کہ منافقین کے باہمی تعلقات اور روابط تو محض خاندانی اشتراک یا اغراض پر مبنی ہوتے ہیں نہ ان کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور نہ ان پر وہ ثمرات مرتب ہوتے ہیں جو دلی دوستی اور قلبی ہمدردی کے تعلق پر مرتب ہوتے ہیں، بخلاف مومنین کے کہ وہ ایک دوسرے کے مخلص دوست اور سچی ہمدرد ہو تے ہیں ۔ (قرطبی) اور چونکہ دوستی اور ہمدردی خالص اللہ کے لئے ہوتی ہے وہ ظاہراً و باطناً اور حاضر و غائب یکساں ہوتی ہے، ہمیشہ پا ئیدار رہتی ہے، مومن مخلص کی یہی علامت ہے، ایمان اور عمل صالح کا خاصہ ہے یہ کہ باہم دوستی اور محبت پیدا کرتا ہے، قرآن کریم کا ارشاد اسی کے متعلق ہے (آیت) سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا، یعنی جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کے پابند ہوئے اللہ تعالیٰ ان

کے آپس میں قلبی اور گہری دوستی پیدا فرما دیتے ہیں، آجکل ہمارے ایمان و عمل صالح ہی کی کوتاہی ہے کہ مسلمانوں کے باہم تعلقات کبھی ایسے نظر نہیں آتے، بلکہ اغراض کے تابع ہیں ۔

لیکچر نمبر ۲۸
سورہ فصلت آیت نمبر ۳۳
فضیلت دعوت الی اللہ اور آداب دعوت الی اللہ
:فضیلت دعوت الی اللہ وبیان صبر واستقامت وحلم ودرگذر درراہ حق :
قال اللہ تعالیٰ : (آیت)'' ومن احسن قولا ممن دعآ الی اللہ .....الی .....وھم لا یسئمون ''۔
(ربط) گذشہ آیات میں اہل ایمان اور ایمان پر استقامت والوں کا اللہ کے یہاں کیا عظیم مقام ومرتبہ ہے بیان فرمایا گیا اب ان آیات میں اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی فضیلت بیان کی جارہی اور یہ کہ عقل وفطرت کے اس قانون کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی ہے ، اور دعوت الی اللہ اور اشاعت حق میں انسان کو بڑی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں ، ان کا مقابلہ اور شدائد پر صبرکی ضرورت ہے ، یہ چیز کما ل کی نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص برا طرز عمل اختیار کرے تو اس کے میں وہی طرز اختیار کیا جائے اس طرز عمل سے برائی کا خاتمہ نہیں ہوتا ، بلکہ اور زائد پھیلتی ہے اگر برائی کو مٹانا مقصود ہوتو اس کا بس یہی ایک طریقہ ہے کہ ملاطفت اور نرمی سے اس کو دور کیا جاسکتا ہے یہی صورت کامیابی اور ترقی کی ہوسکتی ہے ، اور اس راہ میں جہاں خارجی رکاوٹیں پیش آتی ہیں ، ساتھ ہی خود انسان کے قلب ودماغ پر بسا اوقات ایسے خطرات وخیالات وارد ہوتے ہیں کہ قریب ہوتا ہے کہ راہ حق سے اس کے قدم ڈگمگاجائیں تو خارجی رکاوٹوں کے ساتھ یہ داخلی رکاوٹیں بھی پیش آیا کرتی ہیں تو وساوس شیطانیہ سے بچا ؤ صر ف اللہ رب العزت کی پناہ وحفاظت سے ہوتا ہے تو دعوت الی اللہ کی بلند منزلوں کو طے کرنے میں اللہ ہی کی پناہ مانگنی چاہئے ، تو فرمایا ، اور اس سے بہتر کون شخص ہوسکتا ہے ، اپنے قول ودعوت کے لحاظ سے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے ، اور خود نیکی کا کام کرتارہے ، اور اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر یہ اعلان کرتا رہے کہ میں تو (اللہ کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں ، مشرکین ومنکرین کے ایسے ماحول میں جو اللہ کے دین کو حقیر سمجھتے ہوں ، ان کے سامنے بجائے مرعوب ومحجوب ہونے کے فخر کے ساتھ کہے کہ (آیت)''اننی من المسلمین اپنے مذہب پر اس طرح کے فخر اور علان سے کافروں کے حوصلے پست ہوں گے اور اہل سعادت کو ایمان کی رغبت اور پختگی نصیب ہوگی ، اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ کا فرض انجام دینے میں جہلا ء کا مقابلہ اور معاندین کی طرف سے ایذاء رسانی کا معاملہ ہوتا ہے تو ایسی صورت پیش آنے پر ایک ضابطہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ برابر نہیں ہے نیکی ، برائی اور بدی کے اور نہ بدی برابر ہے نیکی کے ، ہر ایک کا حال اور اثر جدا ہوتا ہے ، نیکی کا انجام فلاح وکامرانی ہوتا ہے اور بدی کا انجام ذلت وناکامی اس لیے دعوت الی اللہ میں مشغول انسان یقیناً کامیاب وسربلند ہوں گے ۔ ا وران کے مقابلہ ومعارضہ کرنے والے معاند ذلیل وناکام ہوں گے ، اے مخاطب بس تو اپنا دوستور العمل یہ بنا لے کہ مدافعت کرتا رہ برائی کا ایسے طریقہ سے جو نہایت ہی خوبی کا ہو تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ تو دیکھ لے گا کہ تیرے اور جس شخص کے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ۔ ۱حاشیہ (''کانہ ''۔ یعنی گویا کہ وہ تیرا دوست وہمدرد ہے یہ عنوان اس لحاظ سے ہے کہ اگرچہ وہ دشمن جس کے ساتھ تم نیکی کا برتاؤ کرو گے حقیقتا دوست نہ بنے مگر بہرکیف اگر اس میں انسانی شرافت کا ادنی سابھی اثر ہے تو وہ یقیناً

معاملہ ایسا ہی کرنے لگے گا جیسا کہ دوست ہو ۔)گویا کہ تیرا نہایت ہی مخلص وہمدرد وقریبی دوست اور رشتہ دار ہے ، اور یہ بات نہیں حاصل ہوتی مگر صرف ان ہی لوگوں کو جو اپنے اخلاق وکردار سے صابر ومستقل مزاج ہوں اور نہیں نصیب ہوتی یہ خصلت مگر ان لوگوں کو جو بڑے ہی نصیب والے ہیں، یہ طرز عمل تو اس وقت ہے جب دعوت الی اللہ اور راہ حق میں رکاوٹیں خارج سے پیش آئیں ، اور اگر خود تیرے قلب ودماغ میں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوکر تجھ کو ڈگمگائے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کر، بیشک وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ، وہ پروردگار تیرے عمل واخلاص کو دیکھنے اور تیرے قول کو سننے کی وجہ سے تجھ کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا ، نہ خارجی عداوتیں تجھے نقصان پہنچا سکیں گی اور نہ تیرے نفس کی داخلی رکاوٹ اور وسوسے تجھے ناکام بنا سکیں گے ، اور اللہ کی نشانیوں سے تورات اور دن ہے اور سورج وچاند ہیں ، جو اپنے انقلاب وتبدیلی سے ہر مشاہدہ کرنے والے انسان کو یہ سمجھاتے ہیں کہ دنیا میں کوئی حالت ایسی نہیں کہ جو تبدیل نہ ہو ، رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی نمودار ہوکر زبان حال سے یہ بتاتی رہتی ہے کہ کسی بھی مغلوب وعاجز یا پریشان ومغموم شخص کو جو آلام وانکار کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا مایوس نہ ہونا چاہئے ، اس کے انکار وپریشانیوں کی تاریکیاں عنقریب کامیابی اور غلبہ کی صبح صادق کے نور سے مٹ جائیں گی ، قدرت خداوندی کے ان کرشموں کو دیکھ کر اے لوگوکارخانہ عالم کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے رب کو پہچانو ، ہر گز پرستش نہ کرو، سورج کی اور نہ چاند کی اور صرف اسی خداکے لیے سجدہ کرو جس نے سورج وچاند کو پیدا کیا ہے ، اگر تم کو اسی خدا کی عبادت کرنا ہے کیونکہ خدا کی خالقیت کے اقرار کے ساتھ کسی دوسرے کو اس کی عبادت میں شریک کرنا درحقیقت اس کی عبادت ہی سے انکار ہے۔ لہذا یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کی عبادت وپرستش کرتے ہوئے یہ دعوی کریں کہ ہم تو اسی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ بہرحال یہ حقائق ہیں جن کا تسلیم کرنا ہر صاحب عقل پر ضروری ہے ، پھر بھی اگر یہ لوگ اللہ کی عبادت وتوحید سے تکبر کریں اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں یہ سمجھیں کہ ہماری ذلت ہوگی تو پھر ایسے لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اے ہمارے پیغمبر جو فرشتے آپ کے رب کے نزدیک ہیں اور بارگاہ خداوندی کے مقرب ہیں وہ تو تسبیح وپاکی ، بیان کرتے رہتے ہیں ، اسی رب کے لیے رات اور دن اور وہ اس سے تھکتے نہیں ہیں تو جس خدا کی عظمت وبرتری کایہ مقام ہے کہ ملائکہ مقربین شب وروز اس کی حمد وثنا اور تسبیح میں مصروف ہیں اس کو کسی کی عبادت کی حاجت نہیں ۔ او نہ اس کو کسی شب وروز اس کی حمد ثنا اور تسبیح میں مصروف ہیں اس کو کسی کی عبادت کی حاجت نہیں ، اور نہ اس کو کسی کی نافرمانی سے کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے ، وہ پروردگار عالم تو تمام جہانوں سے مستغنی وبے نیاز ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اگر اولین وآخرین زندہ ومردہ جن وانس جاندار وبے جان چیزیں سب کی سب سراپا تقوی ہوجائیں تو خدا کی خدائی میں مچھر کے پر کے برابر اضافہ نہیں کرسکتے اور اگر یہ سب خدا کی نافرمانی اور شقاوت کا پیکر بن جائیں تو خدا کی ملک میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں کرسکتے ۔ دعوت الی اللہ کے آداب اور صبروتحمل کے بہترین ثمرات :حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قد س اللہ سرہٗ نے اپنے ایک وعظ دعوت الی اللہ میں ان آیات کی تفسیر وتشریح میں عجیب لطائف ونکات بیان فرمائے ، یہ پورا مضمون حضرت اقدس ہی کی عبارت کے ساتھ ہدیہ قارئین ہے ۔فرماتے ہیں ان آیات میں حق تعالیٰ نے ایک خاص عمل کی فضیلت مع اس کے مکملات اور آداب کے ارشاد فرمائی ہے ، وہ خاص عمل دعوت الی اللہ یعنی حق تعالیٰ کی طرف بلانا یعنی اس کے دین کی طرف بلانا یہ تو مقصود

ہے اور دوا س کے مکمل ہیں یعنی عمل صالح اور تواضع اور اعتراف فرمانبرداری ، ترجمہ آیت :'' کون شخص ہے زیادہ احسن ازروئے قول کے اس شخص سے جو خدا کی طرف بلاوے '' استفہام انکار ہے یعنی اس سے اچھا کسی کا قول نہیں جو اللہ کی طرف بلاوے ، احسن سے معلوم ہوا کہ اچھی باتیں تو اور بھی ہیں مگر جتنی اچھی باتیں ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھی بات ''دعوۃ الی اللہ ''۔ ہے استفہام بقصد نفی ہے ۔ سبحان اللہ ! کیا بلاغت ہے کہ پوچھتے ہیں کون ہے احسن از روئے قول کے ''۔ اس میں مبالغہ زیادہ ہے کیونکہ عادت ہے کہ جس جگہ یہ تردد ہوتا ہے کہ کوئی خلاف جواب دے دے گا ، وہاں پوچھا نہیں کرتے مثلا یوں کہتے ہیں کہ میاں فلاں تجارت سے اچھی کون سی تجارت ہے یہ وہاں کہتے ہیں کہ جہاں مخاطب کو متکلم کی رائے سے اختلاف نہ ہو اور جہاں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید مخاطب خلاف جواب وید وہاں پوچھا نہیں کرتے بلکہ یوں بتلاتے ہیں کہ میاں اس سے اچھی کوئی تجارت نہیں اور جہاں یہ احتمال نہیں ہوتا بلکہ اعتماد ہوتا ہے کہ مخاطب بھی پوچھنے پر یہی جواب دے گا وہاں پوچھا کرتے ہیں کہ تم ہی بتاؤ کہ کونسی بات اچھی ہے کیونکہ ظاہر بات ہے بدیہی اور حسی بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اسی طرح اس دعوۃ الی اللہ کی فضیلت اتنی صاف بدیہی اور محسوس تھی کہ صرف پوچھنا کافی ہوگیا ، گویا کوئی کہہ نہیں سکتا کہ اس سے اچھی فلاں بات ہے تو استفہام میں تو یہ بلاغت ہے ۔ (آیت)''احسن قولا ''۔ کی تحقیق: سو یہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے یعنی کس کی گفتگو سب سے اچھی ہے ، وجہ اس ترجمہ کی ظاہر ہے کونکہ احسن باعتبار قصد کے صفت ہے قولا کی اور اقوال ہی کے اعتبار سے اس کی تفضیل بھی ہے اور چونکہ مفضل جنس مفضل علیہ ہی سے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ سب قولوں سے اچھا اس شخص کا یہ قول ہے اور یہاں تک تو کوئی اشکال نہ تھا مگر آگے ارشاد ہے ، (آیت)''وعمل صالحا ''۔ اور عمل صالح بھی کرے اس جملہ کو اس کے معطوف علیہ کے ساتھ ملانے سے حاصل یہ ہوا کہ سب سے اچھی بات اس شخص کی ہے جو دعوت الی اللہ کرے اور نیک کام کرے، اس میں اشکال یہ ہے کہ دعوت الی اللہ کو تو احسنیہ قولا ، میں داخل ہوسکتا ہے کیونکہ وہ خود قول ہے اور سب سے احسن مگر عمل صالح کا اس میں کیا دخل ؟ کیونکہ وہ فعل ہے قول نہیں ، اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ قول نہیں، مگر آداب ومکملات قول سے ہے اس لیے یہ بھی قول کے احسن ہونے میں دخیل ہے تو حاصل یہ ہوا کہ صاحب قول احسن وہ ہے جو دعوت الی اللہ بھی کرے اور اس کے ساتھ ہی خود عمل بھی کرے ، یعنی جو کچھ کہے اس کے موافق عمل بھی کرے تب وہ صاحب قول احسن ہے اس پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کوئی بہت اچھی بات کرے اور عمل اچھا نہ کرے تو قول تو اچھا ہے مگر عمل اچھا نہیں ہے مثلا اگر کوئی دعوت الی الاسلام کرے اور خود مسلمان نہ ہو دعوت الی الصلوۃ کرے اور خود نمازی نہ ہو اسلام کے اوصاف بیان کرے ، اور خود ان پر عقیدہ نہ رکھے تو اس پر (آیت)''من احسن قولا ''۔ تو صادق آتاہے کیونکہ اس کے معنی میں قولہ احسن ہیں، یعنی جس کی بات بہت اچھی ہو وہ احسن قولا ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اس اگر کوئی خود عمل نہ کرے تو اس کے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل رہا اگر اس نے خود نماز نہ پڑھی تو اس کا یہ قول احسن ہے زائد سے زائد یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمل احسن نہیں تو اس سے قول کے احسن ہونے کیا خلل پڑا ، اس کا جواب بنص قرآن بجزاس کے کچھ نہیں ہوسکتا کہ قول کے اچھے ہونے میں عمل کے اچھے ہونے کو بھی دخل ہے اور اس بنا پر اس آیت سے ایک مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ داعی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک صاحب عمل صالح اور ایک غیر صاحب عمل صالح اول کا قول یا دعوۃ احسن ہے یادعوۃ غیر احسن ہے ۔ الدعوۃ الی اللہ ص ۱۲ تا ۱۳ الغرض احسنیتہ جب ہوگی کہ جہاں وعظ کی ساتھ عمل بھی ہوگا ، اور جہاں نر ا وعظ ہوگا اور عمل

نہ ہوگا وہ بیان احسن نہ ہوگا ، کیونکہ افعل التفضیل کی نفی سے مجرد صفت کی نفی لازم آتی ہے اور چونکہ بسا اوقات وعظ اور عمل صالح کے ساتھ ہی اس میں کبر اور عجب بھی پیدا ہوجاتا ہے کہ میں بڑا صاحب کمال ہوں اس لیے آگے اس کے علاط کے لیے تواضح کی تعلیم فرماتے ہیں ، (آیت)''وقال اننی من المسلمین ''۔ یعنی یہ بھی کہے کہ میں تو اس کے فرمانبرداروں میں سے ہوں کہ ''من نیز از غلامان ادیم ''۔ کے حکم پر چلتا ہوں اور اننی من مسلم نہیں فرمایا کہ جس سے تفرد کا شبہ ہوتا اس لیے (آیت)''اننی من المسلمین ''۔ فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہوجائے کہ غلام اور فرمانبردار بہت ہیں ان میں سے ایک میں بھی ہوں ایک غلام نے اگر فرمانبرداری نہ کی تو اپنا ہی کچھ کھویا ، جاننا چاہئے کہ (آیت)''اننی من المسلمین ''۔ کے دو معنی ہوسکتے تھے ، ایک دعوی وفخر اور ایک تواضع مگر یہاں تواضع مراد ہے اور اس کی تائید کہ ایک ہی لفظ دومعنوں میں مستعمل ہوسکتا ہے خود قرآن مجید کے دوسرے موقع سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ایک جگہ مقبولین کی مدح میں ان کا مقولہ ارشاد ہے ۔ (آیت)''ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا ''۔ یعنی اے اللہ ہم نے ایک منادی کو سنا کہ وہ ایمان کے لیے ندا دیتا ہے کہ اپنے پروردگار پرایمان لاؤ فامنا پس ہم ایمان لائے، اے پروردگار بس بخش دیجئے ہمارے گناہ اور دور کردیجئے ہماری برائیاں دیکھئے یہاں (آیت)''امنا ''۔ تواضع انکسار وافتقار کے لیے ہے جس کو ذوق سلیم اور سیاق وسباق صاف بتلا رہا ہے ، اب دوسری آیت لیجئے جو اسی لفظ کو کبر وعجب کے طور پر استعمال کرنے پر دال ہے ۔ (آیت)''قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ''۔ الایۃ یہاں بھی وہی آمنا ہے مگر یہاں اس کو رد کیا گیا ہے جس کا سبب وہی ہے کہ دعوی اور فخر سے کہتے تھے چنانچہ بعد والی آیت اس پر صریح دال ہے ، چنانچہ ارشاد ہے (آیت)''یمنون علیک ان اسلموا قل لاتمنوا علی اسلامکم باللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صادقین ''۔ یعنی وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر احسان رکھتے ہیں اپنے اسلام لانے کا ، فرمادیجئے کہ احسان نہ رکھو مجھ پر اپنے اسلام کا بلکہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی بشرطیکہ تم اس قول میں سچے ہو ، غرض یہاں ان کا امنا کہنا دعوی اور فخر کے طور پر تھا ۔ اس کے جواب سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ واقعی خدا کا احسان ہے جو اس نے ہمیں نیک کام کی ہدایت کردی ، اسی طرح یہاں بھی فرما دیا ۔ (آیت)''قال اننی من المسلمین ''۔ تو ایک تکمیل دعوت الی اللہ کی یہ ہوئی تو اب کل تین چیزیں ہوئیں ، ایک مقصود یعنی دعوت الی اللہ اور دو اس کے مکمل یعنی عمل صالح اور تواضع وافتقار واعتراف وفرمانبرداری ۔ (الدعوت الی اللہ ، ۲۹۔ ،۳۰) (آیت)'' وقال اننی من المسلمین ''۔ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ فخر اور لذت کے طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہو نہ یہ کہ اس کو اپنے اس عنوان اور انتساب کے اظہار میں کوئی جھجھک یا شرم معلوم ہوا اور یہ شرم نہ تو قولااعلان اسلام میں اور نہ ہی اپنے عمل سے اپنے اسلام کے اظہار میں ہو، الحاصل داعی میں دعوت کے ساتھ عمل صالح اور ساتھ تواضع اور انکسار اور اعتراف فرمانبرداری بھی ضرور ی ہے اپنی دعوت اور خدمت پر فخر نہ کرے اس لیے کہ سب کام خدا کی توفیق سے ہوتا ہے اس لیے اپنے اوپر نظر نہ کرنی چاہئے ، اب آگے بقیہ آیات کا ترجمہ اور تفسیر بیان کیے دیتا ہوں۔ (آیت)''ولا تستوی الحسنۃ ولا السیءۃ ''۔ یعنی اچھائی اور برائی برابر نہیں یہاں سوال ہوتا ہے ، کہ اوپر تو دعوت الی اللہ کا ذکر تھا یہاں یہ بیان ہے کہ نیکی بدی برابر نہیں ہے آخر اس جملہ کو سیاق وسباق سے کیا مناسبت ہے ، آگے ارشاد ہے (آیت)''ادفع بالتی ھی احسن ''۔ یعنی مدافعت کیجئے اس طریقہ سے جو اچھا ہویہ بھی بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اخلاق کی تعلیم ہورہی ہے جواب یہ ہے کہ اصل تعلق تو دعوت الی اللہ کے معمول سے (آیت

)''ادفع بالتی ھی احسن '' کا ہے اس طرح سے کہ جو شخص دعوت کے لیے کھڑا ہوتا ہے عموما اس کی مخالفت ہوتی ہے لوگ برا بھلا کہتے ہیں، ممکن ہے کہ اس وقت اس میں ہیجان پیدا ہو اور یہ بھی بدی کے بدلہ بدی کربیٹھے اس لیے ایسے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی سے تعلیم فرماتے ہیں کہ اخلاق درست کرو اپنے میں ضبط وصبر پیدا کرو یہ معنی ہوئے ، (آیت)''ادفع بالتی ھی احسن '' کے یعنی ''ادفع السیءۃ بالحسنۃ '۔ کہ کوئی برائی کرے تو اسے نیکی کرکے دفع کردو پس اصل تعلق تو جملہ (آیت)''ادفع ''۔ کا ہے باقی (آیت)'' لا تستوی الحسنۃ ''۔ الخ ، یہ اس کی تمہید ہے یعنی بتلانا تو مقصود ہے (آیت)''ادفع بالتی الخ''۔ کا مگر تمہید میں پہلے ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ دیکھو نیکی اور بدی اثر میں برابر نہیں ہوتی یعنی اگر برائی کا انتقام برائی سے لے لیا تو اس کا اثر اور ہوگا اور اگر ٹال دیا تو اس اس کا اثر اور ہوگا اور وہ اثر یہ ہوگا کہ (آیت)''فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم ''۔ جس شخص کے اور تمہارے درمیان میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے گاڑھا دوست ، مطلب یہ کہ دعوت الی اللہ کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ مخالفین بھڑکیں نہیں ، کیونکہ اگر بھڑکے گا تو اس کا شر اور بڑھے گا پہلے چھپی عداوت کرتا تھا تو اب کھلی ہوئی کرے گا ، تو اس عداوت سے اور شر سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ ٹال دو اور انتقام لینے کی فکر نہ کرو ، تو دشمن دوست بن جائے گا ، اور پھر وہ اگر تمہیں مدد بھی نہ دے گا تو تمہاری کوششوں کو روکے گا بھی نہیں ، اور دعوت الی اللہ کا کام مکمل ہوجائے گا ، یہاں اس کے متعلق ایک شبہ ہے کہ ہم بعض جگہ دیکھتے ہیں کہ باوجود اس رعایت کے بھی وہ دوست نہیں بنتا بلکہ وہ اپنے شر وفساد میں اسی طرح سرگرم رہتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بقاعدۂ عقلیہ ایک شرط ملحوظ ہے وہ یہ کہ بشرط سلامۃ الطبع کہ وہ شر سے اس وقت باز رہے گا جبکہ سلیم الطبع ہو اور اگر سلامت طبع کی قید نہ ہو تو اس وقت یہ جواب ہے کہ ولی حمیم نہیں فرمایا بلکہ (آیت)'' کانہ ولی حمیم ''۔ فرمایا تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ شرہی میں کمی رہے گی اور اگر تم انتقام لو گے تو گواس وقت وہ عدم قدرت کی وجہ سے خاموش ہوجائے مگر درپردہ کینہ مضمر رکھے گا اور حتی الامکان لوگوں سے تمہارے خلاف سازش کرے گا جس کو غلطی سے آدمی کبھی یوں سمجھ جاتا ہے کہ انتقام اصلح ہوا ، تو ایک ادب یہ بتایا تبلیغ کا کہ صبر وضبط سے کام لیا جائے اور جو ناگوار امور مخالفین کی طرف سے پیش آویں انہیں برداشت کیا جائے اور یہ مدافعت سیءۃ بالحسنۃ چونکہ کام تھا نہایت مشکل اس لیے اس کی ترغیب کے لیے فرماتے ہیں (آیت)'' وما یلقاھا الا لذین صبروا ''۔ اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے تو اس مدافعت کی ترغیب دو وجہ سے دلائی گئی ہے ایک باعتبار اخلاق کے کہ ایسا کرنے سے صابرین میں شمار ہوگا اور ایک باعتبار اجروثواب کے ایسا کرو گے تو اجر عظیم کے مستحق ہوجاؤ گے اب اس میں ایک مانع بھی تھا۔ یعنی دشمن شیطان جو ہر وقت لگا ہوا ہے اس کا بھی علاط بتاتے ہیں ، (آیت)'' اما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ ''۔ اگر آپ کو شیطان کی طرف سے وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے یعنی بعض اوقات مخالفین کی باتوں پر شیاطین غصہ دلاتے ہیں اور اس وقت صبر کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے وقت کے لیے فرماتے ہیں (آیت)'' فاستعذ باللہ ''۔ خدا کی پناہ میں چلے جاؤ یہ مطلب نہیں کہ صرف زبان سے (آیت)''اعوذ باللہ ''۔ پڑھ لیا کرو ، مطلب یہ ہے کہ خدا سے دل سے دعا کرو کہ وہ شیطان کے وسوسے کو دور کردے ، اور صبر پر استقامت دے ، (آیت)'' انہ ھو السمیع العلیم ''۔ بلاشبہ وہ سننے والا خوب جاننے والا ہے یعنی وہ تمہاری زبان سے پناہ مانگنے کو بھی سنیں گے اور دل سے پناہ مانگنے کو بھی جانیں گے اور پھر تم کو پناہ دیں گے اور مدد کریں گے اور شیطان کو دفع

کردیں گے ان آیات میں حق تعالیٰ نے پورے پورے آداب اور مکملات دعوت الی اللہ کے اور اس کے طریقے سب بتلا دیئے انتہی کلامہ ، اس مضمون کی افادیت کے پیش نظر تبرکا اور تلذذا یہ تمام کلمات وعظ الدعوت الی اللہ از ص ۔٤٦ تا ص ۔۔ ٤٨ سے نقل کیے گئے ہیں حضرات قارئین اصل کی مراجعت فرمالیں ۔

لیکچر نمبر ٢٩
وصیت لقمان علیہ السلام

وَإِذْ قَالَ لُقْمَٰنُ لِٱبْنِهِۦ وَهُوَ يَعِظُهُۥ يَٰبُنَىَّ لَا تُشْرِكْ بِٱللَّهِ ۖ إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ
ترجمہ:اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھانے لگا اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا بیشک شریک بنانا بھاری بے انصافی ہے
تفسیر:ان کلمات حکمت میں سب سے اول تو عقائد کی درستگی ہے، اور ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک بلاشرکت غیرے یقین کرے، اس کے ساتھ کسی غیر اللہ کو شریک عبادت نہ کرے کہ اس دنیا میں اس سے بڑا بھاری ظلم کوئی نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کسی مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے، اس لئے فرمایا یبنی لا تشرک باللہ ان الشرک الظلم عظیم، آگے حضرت لقمان کی دوسری نصائح اور کلمات حکمت آئے ہیں، جو اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمائے تھے۔ درمیان میں حق تعالیٰ نے شرک کے ظلم عظیم ہونے اور کسی حال میں اس کے پاس نہ جانے کی ہدایات کے لئے ایک اور حکم ارشاد فرمایا:والدین کی شکر گزاری اور اطاعت فرض ہے، مگر حکم الٰہی کے خلاف کسی کی اطاعت جائز نہیں:کہ اگرچہ ہم نے اولاد کو اپنے ماں باپ کی اطاعت اور شکرگزاری کی بڑی تاکید کی ہے، اور اپنی شکرگزاری و اطاعت کے ساتھ ساتھ والدین کی شکرگزاری اور اطاعت کا حکم دیا ہے، لیکن شرک ایسا ظلم عظیم اور سنگین جرم ہے کہ وہ ماں باپ کے کہنے سے اور مجبور کرنے سے بھی کسی کے لئے جائز نہیں ہوتا، اگر کسی کو اس کے والدین اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینے پر مجبور کرنے لگیں تو اس معاملہ میں والدین کا کہنا بھی ماننا جائز نہیں ۔اور یہاں جبکہ والدین کے حقوق اور ان کی شکرگزاری کا حکم دیا گیا تو اس کی حکمت یہ بتلا دی کہ اس کی ماں نے اس کے وجود و بقاء میں بڑی محنت برداشت کی ہے کہ نو مہینے تو اس کو اپنے شکم میں رکھ کر اس کی حفاظت کی اور اس کی وجہ سے جو روز بروز اس کو ضعف پر ضعف اور تکلیف پر تکلیف بڑھتی گئی اس کو برداشت کیا، پھر اس کے پیدا ہونے کے بعد بھی دو سال تک اس کو دودھ پلانے کی زحمت برداشت کی، جس میں ماں کو خاصی محنت بھی شب و روز اٹھانی پڑتی ہے، اور اس کا ضعف بھی اس سے بڑھتا ہے، اور چونکہ بچے کی پرورش میں محنت و مشقت زیادہ ماں اٹھاتی ہے، اس لئے شریعت میں ماں کا حق باپ سے بھی مقدم رکھا گیا ہے۔

دوسری وصیت والدین اور خاص کر والدہ کے حقوق اور اسکی قربانیاں

وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ
ترجمہ:

اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تھک تھک کر اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھ ہی تک آنا ہے
تفسیر:(آیت) ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھناً علیٰ وھن وفصلہ فی عامین۔ کا یہی مطلب ہے اور اس کے بعد (آیت) وان جاھداک میں یہ بتلایا ہے کہ غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے معاملہ میں والدین کی اطاعت بھی حرام ہے۔اسلام کا بے نظیر قانونِ عدل:اور ایسی صورت میں کہ ماں باپ اس کو شرک و کفر پر مجبور کریں اور اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہو کہ ان کی بات مانو، تو طبعی طور پر انسان حد پر قائم نہیں رہتا۔ اس پر عمل کرنے میں اس کا امکان تھا کہ بیٹا والدین کے ساتھ بدکلامی یا بدخوئی سے پیش آئے ان کی توہین کرے۔ اسلام ایک قانون عدل ہے، ہر چیز کی ایک حد ہے، اس لئے شرک میں والدین کی اطاعت نہ کرنے کے حکم کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا۔

لیکچر نمبر ۳۰

شرک اورگناہ میں کسی کی اطاعت نہیں یہاں تک کہ والدین کی بھی نہیں

وَإِن جَٰهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَن تُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِى ٱلدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَٱتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَىَّ ۚ ثُمَّ إِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُو

ترجمہ

اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا اس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا مت مان اور ساتھ دے ان کا دنیا میں دستور کے موافق اور راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری طرف پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا پھر میں جتلا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے۔

تفسیر:(آیت) صاحبھما فی الدنیا معروفاً، یعنی دین میں تو تم ان کا کہنا نہ مانو مگر دنیا کے کاموں میں مثلاً ان کی جسمانی خدمت یا مالی اخراجات وغیرہ اس میں کمی نہ ہونے دو، بلکہ دنیوی معاملات میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو ان کی بے ادبی نہ کرو، ان کی بات کا جواب ایسے نہ دو جس سے بلاضرورت دل آزاری ہو ۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک و کفر کے معاملہ میں نہ ماننے سے جو ان کی دل آزاری ہوگی وہ تو مجبوری کے لئے برداشت کرو، مگر ضرورت کو ضرورت کی حد میں رکھو، دوسرے معاملات میں ان کی دل آزاری سے پرہیز کرتے رہو ۔ فائدہ:اس آیت میں جو بچے کے دودھ چھڑانے کی مدت دو سال بتلائی گئی ہے، یہ عام عادت کے مطابق ہے۔ اس میں اس کی کوئی تشریح و تصریح نہیں کہ اس سے زیادہ مدت تک دودھ پلایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ اس مسئلہ کی تشریح سورہ احقاف کی (آیت) وحملہ وفصلہ ثلثون شہراً۔ کے تحت میں انشاءاللہ تعالیٰ آئے گی۔

لیکچر نمبر ۳۱

يَٰبُنَىَّ إِنَّهَآ إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِى صَخْرَةٍ أَوْ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ أَوْ فِى ٱلْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا ٱللَّهُ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

ترجمہ:

اے بیٹے اگر کوئی چیز ہو برابر رائی کے دانہ کی پھر وہ ہو کسی پتھر میں یا آسمانوں میں یا زمین میں لا حاضر کرے اس کو اللہ بیشک اللہ جانتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو خبردار ہے

دوسری وصیت لقمانی متعلقہ عقائد:
یہ ہے کہ اس کا اعتقاد جازم رکھا جائے کہ آسمان و زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے اس کا ایک ایک ذرہ پر اللہ تعالیٰ کا علم بھی محیط اور وسیع ہے اور سب پر اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ کوئی چیز کتنی ہی چھوٹی سے چھوٹی ہو جو عام نظروں میں نہ آ سکتی ہو اس طرح کوئی چیز کتنی ہی دور دراز پر ہو اس طرح کوئی چیز کتنے ہی اندھیروں اور پردوں میں ہو اللہ تعالیٰ کے علم و نظر سے نہیں چھپ سکتی، اور وہ جس کو جب چاہیں جہاں چاہیں حاضر کر سکتے ہیں ۔ (آیت) یبنی انہا ان تک مثقال حبة من خردل الایة کا یہی مطلب ہے۔ اور حق تعالیٰ کے علم و قدرت کا ہر چیز پر محیط ہونا خود بھی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اور عقیدہ توحید کی بہت بڑی دلیل ہے۔

يَٰبُنَيَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأۡمُرۡ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَٱنۡهَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَٱصۡبِرۡ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ ٱلۡأُمُورِ

ترجمہ:
اے بیٹے قائم رکھ نماز کو اور سکھلا بھلی بات اور منع کر برائی سے اور تحمل کر جو تجھ پر پڑے بے شک یہ ہیں ہمت کے کام
تیسری وصیت لقمانی متعلقہ اصلاح عمل:
اعمال واجبہ تو بہت ہیں مگر ان سب میں سب سے بڑا اور اہم عمل نماز ہے، اور خود اہم ہونے کے ساتھ وہ دوسرے اعمال کی درستی کا ذریعہ بھی ہے۔ جیسا کہ نماز کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔ (آیت) ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاءوالمنکر، اس لئے اعمال صالحہ واجبہ میں سے نماز کے ذکر پر اکتفا فرمایا یبنی اقیم الصلوٰۃ، یعنی اے میرے بیٹے نماز کو قائم کرو ۔ اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اقامت صلوٰۃ کا مفہوم صرف نماز پڑھ لینا نہیں بلکہ اس کے تمام ارکان و آداب کو پوری طرح بجا لانا، اس کے اوقات کی پابندی کرنا اور اس پر مداومت کرنا سب اقامت صلوٰۃ کے مفہوم میں داخل ہیں ۔چوتھی وصیت لقمانی متعلقہ اصلاح خلق:اسلام ایک اجتماعی دین ہے فرد کی اصلاح کے ساتھ جماعت کی اصلاح اس کے نظام کا اہم جزو ہے۔ اس لئے نماز جیسے اہم فریضہ کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ذکر فرمایا گیا کہ لوگوں کو نیک کاموں کی دعوت دو اور برے کاموں سے روکو، وامر بالمعروف وانہ عن المنکر یہ دو فریضے ہیں ایک اپنی اصلاح اور دوسرا عام مخلوق کی اصلاح۔ دونوں ایسے ہیں کہ دونوں کی پابندی میں خاصی مشقت و محنت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اس پر ثابت قدم رہنا آسان نہیں، خصوصاً اصلاح خلق کے لئے امر بالمعروف کی خدمت کا صلہ دنیا میں ہمیشہ عداوتوں اور مخالفتوں سے ملا کرتا ہے۔ اس لئے وصیت کے ساتھ ہی یہ وصیت بھی فرمائی کہ (آیت) واصبر علیٰ ما اصابک ان ذلک من عزم الامور، یعنی ان کاموں میں تمہیں جو کچھ تکلیف پیش آئے اس پرصبر وثبات سے کام لو ۔

لیکچر نمبر ۳۲
وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمۡشِ فِي ٱلۡأَرۡضِ مَرَحًاۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُورٍ

ترجمہ:
اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اتراتا بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا بڑائیاں کرنے والا
پانچویں وصیت لقمانی متعلقہ آدابِ معاشرت :
(آیت) ولا تصعر خدک للناس، لاتصعر، صعر سے مشتق ہے جو اونٹ کی ایک بیماری ہے جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے، جیسے انسانوں میں لقوہ معروف بیماری ہے جس سے چہرہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے، مراد اس سے رخ پھیر لینا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی ملاقات اور گفتگو میں ان سے منہ پھیر کر گفتگو نہ کرو جو ان سے اعراض کرنے اور تکبر کرنے کی علامت ہے اور اخلاق شریفانہ کے خلاف ہے۔(آیت) ولا تمش فی الارض مرحاً، مرح اکڑ کر، اترا کر چلنا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ زمین کو اللہ تعالیٰ نے سارے عناصر سے پست افتادہ بنایا ہے تم اسی سے پیدا ہوئے اسی پر چلتے پھرتے ہو اپنی حقیقت کو پہچانو اترا کر نہ چلو جو متکبرین کا طریقہ ہے۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا (آیت) ان اللہ لا یحب کل مختال فخور، ”یعنی اللہ نہیں پسند کرتا کسی متکبر فخر کرنے والے کو“

وَٱقْصِدْ فِى مَشْيِكَ وَٱغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ ٱلْأَصْوَٰتِ لَصَوْتُ ٱلْحَمِيرِ
ترجمہ:
اور چل بیچ کی چال اور نیچی کر آواز اپنی بے شک بری سے بری آواز گدھے کی آواز ہے

تفسیر:(آیت) واقصد فی مشیک، یعنی اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو، نہ بہت دوڑ بھاگ کر چلو کہ وہ وقار کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے کہ چلنے میں بہت جلدی کرنا مومن کی رونق ضائع کر دیتا ہے۔ (جامع صغیر عن ابی ہریرہ) اور اس طرح چلنے میں خود اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو تکلیف بھی پہنچنے کا خطرہ رہتا ہے، اور نہ بہت آہستہ چلو، جو یا تو ان تکبر اور تصنع کرنے والوں کی عادت ہے جو لوگوں پر اپنا امتیاز جتانا چاہتے ہیں، یا عورتوں کی عادت ہے جو شرم وحیا کی وجہ سے تیز نہیں چلتیں، یا پھر بیماروں کی عادت ہے جو اس پر مجبور ہیں ۔ پہلی صورت حرام اور دوسری بھی اگر عورتوں کی مشابہت پیدا کرنے کے قصد سے ہو تو ناجائز ہے اور یہ قصد نہ ہو تو پھر مردوں کے لئے ایک عیب ہے۔ اور تیسری صورت میں اللہ کی ناشکری ہے، کہ تندرستی کے باوجود بیماروں کی ہئیت بنائے۔حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ صحابہ کرام کو یہود کی طرح دوڑنے سے بھی منع کیا جاتا تھا اور نصاریٰ کی طرح بہت آہستہ چلنے سے بھی۔ اور حکم یہ تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال اختیار کرو ۔ حضرت عائشہ نے کسی شخص کو بہت آہستہ چلتے دیکھا جیسے ابھی مر جائے گا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ ایسے کیوں چلتا ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ قراء میں سے ہے۔ قراء قاری کی جمع ہے، اس زمانے میں قاری اس کو بھی کہا جاتا تھا جو تلاوت قرآن کی صحت و آداب کے ساتھ قرآن کا عالم بھی ہو ۔ مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی بڑا قاری عالم ہے، اس لئے ایسا چلتا ہے۔ اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ عمر بن خطاب اس سے زیادہ قاری تھے، مگر ان کی عادت یہ تھی کہ جب چلتے تو تیز چلتے تھے (مراد تیزی نہیں جس کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ اس کے بالمقابل تیزی ہے) اور جب وہ کلام کرتے تھے تو اس طرح کہ لوگ اچھی طرح سن لیں (ایسی پست آواز نہ ہوتی تھی کہ سننے والوں کو پوچھنا پڑے کہ کیا فرمایا)۔و اغضض من صوتک، ”یعنی آواز کو پست کرو“ مراد پست کرنے سے یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز نہ نکالو، اور شور نہ کرو ۔

جیسا کہ ابھی حضرت فاروق اعظم کے متعلق گزرا کہ کلام ایسا کرتے تھے کہ حاضرین سن لیں، انہیں سننے میں تکلیف نہ ہو ۔ اس کے بعد فرمایا (آیت) ان انکرا الاصوات تصوف الحمیر، ”یعنی چوپاؤں میں سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی ہے جو بہت شور کرتا ہے۔“

المراجع والمصادر

۱۔معارف القران ادریس کاندھلوی

۲۔معارف القرآن شفیع عثمانی

۳۔آسان ترجمہ قرآن تقی عثمانی

۴۔تفسیر عثمانی محمودالحسن

۵۔تفسیر مظہری ثنااللہ پانی پتی

۶۔تفسیر ماجدی عبدالماجد